بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ | جولائی ۲۰۱۹ء | جلد نمبر ۴۳ شمارہ ۷

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 250 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر   15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس مصباحی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشـــــــمـــــــولات

اداریــــــه	ملک میں بڑھتے ہجومی تشدد اور ہمارے مطالبات	مبارک حسین مصباحی	۳

تاریخیات

سوانح	شیخ العالم خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	عابد نظامی	۷

فقہیات

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۴

نظریات

فکـــر امروز	اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد	سید محمد امان قادری	۱۶

اسلامیات

درسِ قــرآن	قرآن حکیم اور حقوق العباد	مولانا محمد عرفان قادری	۱۹
شــعــاعــیں	آئی عیدِ قرباں لے کر پھر پیغامِ قربانی	عرفانہ عفی	۲۱

شخصیات

انوارِ حیات	حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی سیرت کے چند تابندہ نقوش	مبارک حسین مصباحی	۲۴

سیاسیات

آئینۂ وطن	وزیر اعظم جناب نریندر مودی کو چند مفید مشورے	ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی	۳۰
حالاتِ حاضرہ	چیختا انصاف اور دم توڑتی انسانیت	حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی	۳۲

بزمِ دانش

فکرونظر	مدارسِ اسلامیہ: ایک جائزہ	مولانا ناظم علی مصباحی/مولانا محمد عابد چشتی/مولانا محمد عبد الرحمٰن نعیمی	۳۵

ادبیات

نقدونظر	منظوم سوانح تاج الشریعہ	تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی	۴۱
خیابانِ حرم	نعت ومنقبت	شمسؔ شاہجہان پوری/محمد سلمان رضا فریدی مصباحی	۴۵

وفیات

سفرِ آخرت	جامعہ اشرفیہ میں حضرت مفتی حبیب یار خان نوری کے لیے تعزیتی اجلاس	مولانا رحمت اللہ مصباحی	۴۶
	مفتی سید خورشید انور شمسی: ایک قابلِ رشک شخصیت	محمد ولی اللہ قادری	۴۶
	خطیبِ خوش بیان مولانا قاری نور الحق مصباحی غازی پوری نہ رہے	محمد عبد المبین نعمانی	۴۹

مکتوبات

صدائے بازگشت	محمد ابوہریرہ رضوی مصباحی/محمد اختر علی واجد القادری		۵۰

سرگرمیاں

خیر خبر	بی جے پی حکومت مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت کرنے پر آخر بضد کیوں ہے؟/گورکھ پور میں جامعۃ المدینہ کا افتتاح/پونہ میں امام احمد رضا کانفرنس۔ مسلم امہ کی تعلیمی واقتصادی ترقی کیلئے تجاویز/اردو زندہ رہے گی/جامعہ انوار القرآن بلرام پور میں عرس عزیزی وجلسۂ دستار بندی۔	۵۳

اداریہ

ملک میں بڑھتے ہجومی تشدد

اور ہمارے مطالبات

مبارک حسین مصباحی

اس وقت ہمارے ملک میں ہجومی تشدد کے خلاف مظلوموں کے احتجاجات جاری ہیں۔غم واندوہ کا یہ سلسلہ واشنگٹن، امریکہ اور دیگر ممالک میں بھی جاری ہے۔یہ ایک سچائی ہے کہ ماب لنچنگ کے خلاف صرف مسلمان، دلت اور آدی واسی ہی نہیں بلکہ ہندو، سکھ اور عیسائی بھی کسی حد تک شریک ہیں بلکہ سخت ترین بیانات بھی دے رہے ہیں۔ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اس میں ہر باشندے کو اپنے مذہب، اپنی تہذیب اور اپنی قومی روایت کے مطابق زندگی گزارنے کا قانونی حق ہے۔آپ ہندوستان کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے، آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ مسلمانوں نے دیگر مذاہب کے افراد سے زور و ظلم کے ساتھ تکبیر و رسالت کے نعرے لگوائے ہوں یا بالجبر کلمہ طیبہ پڑھنے پر مجبور کیا ہو۔حالاں کہ غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کا دورِ حکومت آٹھ سو برس سے زیادہ عرصے پر محیط ہے۔مگر افسوس صد افسوس چند برسوں سے ہجومی تشدد انفرادی طور پر مسلمانوں سے جے شری رام، وندے ماترم اور جے ہنومان کہلوانے پر مجبور کر رہا ہے، اسی طرح گئوکشی، گایوں کے لانے، لے جانے اور گائے کا گوشت کھانے کے جھوٹے الزامات میں مسلمانوں کو جان سے مارا جا رہا ہے۔دیگر معاملات اپنی جگہ، ان دونوں وجوہات میں بھی بڑی تعداد میں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔خاص بات یہ ہے کہ شدید متعصب افراد پہلے منصوبہ بند طریقے سے پہلے کسی مسلمان پر چوری وغیرہ کے الزامات لگاتے جاتے ہیں اور اس کے بعد اپنے ہمنواؤں کو بلا کر اس نہتے کی دھنائی شروع کر دی جاتی ہے بعض مقامات پر پولیس بھی ان حادثات کو بچشمِ خود دیکھتی رہتی ہے اور یہی حال بعض ہاسپیٹلوں اور تھانوں کا بھی ہے۔اس وقت ہمارے سامنے ہجومی دہشت گردی کا شکار ۲۴/ سالہ نوجوان مرحوم تبریز انصاری ہے۔

تبریز انصاری کے چچا مقصود عالم نے اس دردناک حادثے کے بعد جو بیان دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تبریز انصاری ہمارا بھتیجا تھا، وہ سات آٹھ برس سے پونے مہاراشٹر میں رہتا تھا۔ ۲۷/ اپریل ۲۰۱۹ء کو اس کی شادی ہوئی تھی، ۲۷/ جون کو اسے واپس جانا تھا۔ ۱۷/ جون کو وہ اپنے کسی کام سے جمشید پور گیا تھا، رات میں ۱۰/ بجے اس نے اپنی اہلیہ شائستہ پروین کو کال کی کہ میں کچھ ہی دیر میں گھر پہنچ جاؤں گا، اہلیہ منتظر تھی، کئی بار فون کیا مگر فون لگ نہیں سکا، تبریز انصاری موضع کدم ڈیہ، سرائے کیلا کا باشندہ تھا۔

صبح ۵/ بجے مرحوم تبریز انصاری کا اپنی اہلیہ کے پاس فون آیا کہ مجھے موضع دھتکیڈیہ میں رات سے اب تک مسلسل پیٹا جا رہا ہے، آپ کچھ لوگوں کو لے کر آؤ ورنہ مجھے جان سے مار دیں گے، اہلیہ نے اپنے شوہر کے چچاؤں اور دیگر چند لوگوں کو خبر دی، یہ لوگ گاؤں دھتکیڈیہ پہنچے تو بقول مقصود عالم وہاں قرب و جوار کے ہندو جمع تھے اور تبریز سے جے شری رام اور جے ہنومان کہلوایا جا رہا تھا اور اسے مسلسل مارا جا رہا تھا، ان ظالموں نے مارنے کے لیے بائک چوری کا الزام بھی گڑھ لیا تھا۔دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ وہ مسلسل پٹتے ہوئے ہندو شرپسندوں کی جے میں جے تو ملا رہا تھا۔ان سب کے باوجود بائک چوری کا الزام ایک بار بھی اس نے قبول نہیں کیا۔یہاں خاص بات یہ ہے کہ کثیر ہندو وہاں تماشائی بنے کھڑے تھے اور سب اس دہشت گردی کو سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، ان میں کوئی ایک فرد بھی یہ کہنے والا نہیں تھا کہ چور کی سزا پولیس دیتی ہے، باضابطہ کورٹ کچہری اور عدالت میں مقدمات چلتے ہیں یہ آپ لوگوں کو تھانے اور کورٹ کے مسائل حل کرنے کی ذمہ داری کس نے سونپی ہے۔یہ سب بلاوجہ نہیں ہو رہا تھا، اس کے پیچھے سیاسی منصوبہ بندی ہے، تھانے اور سیاست کی حمایت اور اعانت ہے۔اس بار لوک سبھا میں بھی جے شری رام، وندے ماترم اور جے ہنومان کی آوازیں گونجیں، اس دوران مردِ مجاہد اسدالدین اویسی نے اپنے حلفیہ بیان میں ایک بار لفظ تکبیر بول کر اللہ اکبر کی صدا بھی بلند کی۔ڈاکٹر شفیق الرحمٰن برق سنبھلی نے اپنے حلقہ سنبھل کا حلف لیا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے آغاز کیا اور آخر میں وندے ماترم کے تعلق سے یہ بھی کہا کہ یہ ہمارے مذہب میں درست نہیں۔حالاں کہ سچائی یہ ہے کہ ہمارا ملک ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، منتخب ہونے والے سیاسی لیڈران کو ہر طبقے اور ہر مذہب کے افراد ووٹ دیتے ہیں، اس لیے لوک سبھا، پارلیمنٹ یا

ودھان سبھا میں خاص مذہبی نعروں کا بلند کرنا قطعاً غیر مناسب ہے۔ مگر افسوس کانگریس نے آر ایس ایس کو جنم دیا اور پھر اس کے بطن سے بی جے پی پیدا ہوئی اور اب دونوں کے ہیرو آج وزیرِ اعظم نریندر مودی ہیں اور پارٹی کے صدر ہیں امیت شاہ۔

ملک بھر میں بظاہر ان کے چاہنے والوں کی تعداد بھی زیادہ نظر آتی ہے، حالاں کہ ملک کے بعض ذمہ داروں کا کہنا اور ماننا یہ ہے کہ یہ سب کرشمہ ہے ای وی ایم کا۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ ہے کہ ان مشینوں میں چھیڑ چھاڑ کی جا سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی سچائی ہے کہ ملک کے اکثر صوبوں میں حکومت بھی بی جے پی کی ہے، ان حکومتوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

آزادی ملنے سے دو سال قبل ممبئی کے ایک اجلاس میں مسٹر امبیڈکر نے یہ نصیحت کی تھی ”اکثریت حاصل کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حکومتِ وقت جو چاہے کرے۔“ آپ نے مزید کہا تھا: جمہوریت میں سرکار اس پارٹی کی بنتی ہے جو اکثریت حاصل کرتی ہے، مگر یہ اکثریت ہمیشہ کے لیے نہیں ہوتی، اس لیے کوئی بھی سیاسی جماعت اکثریت حاصل کر کے اپنی مرضی دوسروں پر نہیں تھوپ سکتی ہے۔“ مگر آج کل حکمراں جماعت ان باتوں کو فراموش کرتی جا رہی ہے۔

خیر گفتگو تھی تبریز انصاری پر ستم گری کی، چوری کا الزام تو ایک بہانا تھا اصل جرم ان کا مسلمان ہونا تھا، سوال یہ ہے کہ اگرچہ چوری کا الزام غلط تھا، لیکن چوری بھی کی ہوتی تو اسے پولیس کے حوالے کیا جاتا، اس کے ہاتھ باندھ کر جے شری رام اور جے ہنومان کے نعرے لگوانا اور مسلسل اسے بے دردی سے مارنا کیا یہ سب ملکی دستور کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ حیرت و افسوس کا مقام یہ ہے کہ یہ بھیڑ پولیس کی موجودگی میں بھی مارتی رہی۔ اب ضرورت تھی کہ علاج کے لیے اسے ہاسپیٹلائز کیا جاتا مگر سرپیٹ لینے کا مقام یہ ہے کہ اسے پولیس نے تھانے میں لے جا کر لاک اپ میں بند کر دیا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جب ہم تھانے پہنچے تو تبریز کے چچا جو دینی تعلیم یافتہ ہیں انھیں ایس آئی او نے یہ کہ کر باہر کر دیا کہ تم چور کی مدد کرنے کے لیے آئے ہو، نکل جاؤ ورنہ ٹانگیں توڑ کر تمھیں بھی بند کر دوں گا۔ ان سب کے باوجود مرحوم کی اہلیہ اور خوش دامن صاحبہ لاک اپ کے قریب پہنچ گئیں، تبریز کی حالت قابلِ رحم تھی، شدید پٹائی سے اس کا پورا بدن ٹوٹ رہا تھا، آنکھوں سے مظلومیت کے آنسو جاری تھے، زبان بمشکل تمام کھل پا رہی تھی، اتنے میں بی جے پی کا نیتا بلو یادو آ گیا اور بدترین انداز میں کہنے لگا، ابے تو اب تک مرا نہیں، تبریز نے ہلکی آواز میں بتایا یہی تو ہے جو جے سیا رام اور جے ہنومان کے نعرے لگوا رہا تھا، اسی نے چوری کا الزام لگایا تھا، خود بھی پیٹا تھا اور دوسرے لوگوں سے بھی خوب پٹوایا تھا۔

یہ حادثہ ۱۷/ جون ۲۰۱۹ء کی شب میں پیش آیا، ۲۲/ جون کو ریلوے صدر ہاسپیٹل قصبہ سینی میں ایڈمٹ کیا گیا، اہلِ خانہ کو معلوم ہوا تو وہ ۷/ بج کر ۳۰/ منٹ پر وہاں پہنچے، مگر ان کو ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی، ۸/ بج کر ۳۰/ منٹ پر ڈاکٹر نے صرف مقصود عالم کو اندر جانے کی اجازت دی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ تبریز اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ یہ باہر آئے، سب کو خبر دی، قریب ۱۱/ بجے کچھ صحافی بھی آ گئے اور وہ ان لوگوں کو بھی لے کر اندر گئے، اس پر چادر پڑی تھی، ناک سے جھاگ ابل رہے تھے، ان کے ساتھ ایک ڈاکٹر تھے انھوں نے کہا کہ تبریز ابھی زندہ ہے، ابھی سانس جاری ہے، ای سی جی کرائی گئی تو اس میں سانسیں چل رہی تھیں، ان لوگوں نے کہا کہ ہم اسے ٹاٹا مین ہاسپیٹل (ٹی ایم ایچ) شفٹ کریں گے، ڈاکٹرس لیت و لعل سے کام لیتے رہے، یہاں تک کہ ۱۲/ بجے سے زیادہ کا وقت ہو گیا۔ مقصود عالم کا کہنا ہے کہ ہاسپیٹل میں دو بڑی امبولینس موجود تھیں مگر ہمیں بمشکل تمام سومودی، جس میں مرحوم کے پیر موڑ کر کسی طرح لے کر چلے، ایمبولینس کے ڈرائیور نے ہزار کوشش کے باوجود بہت سست گاڑی چلائی اور ٹی ایم ایچ میں اس کی موت ہو گئی، حالاں کہ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اس کی موت صدر ہاسپیٹل میں ہی ہو گئی تھی۔

حیرت اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ جھارکھنڈ میں تبریز انصاری کی موت کا حادثہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، بلکہ اس صوبے میں اب تک ہجومی تشدد سے ۱۹/ لوگ مر چکے ہیں، جن میں گیارہ مسلم اور دیگر دلت اور آدی واسی ہیں۔ جب کہ سپریم کورٹ نے ۱۷/ جولائی ۲۰۱۸ء کو ماب لنچنگ پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فیصلہ سنایا تھا کہ پارلیمنٹ کوئی سخت قانون بنائے مگر افسوس اب تک کوئی قانون تو نہیں بن سکا، بلکہ ملک بھر میں یہ شیطانی کھیل مسلسل کھیلا جا رہا ہے۔ سپریم کورٹ کے آرڈر کے بعد اب تک ۵۵/ لوگ ہجومی تشدد کا شکار ہو چکے ہیں، این ڈی اے کے دوبارہ اقتدار میں آنے کے بعد ۸/ افراد کو ہجومی تشدد کا شکار بنایا جا چکا ہے۔

مودی حکومت کے پہلے دور میں اور اب تازہ دوسرے دور میں مسلمانوں پر ہجومی تشدد کے زیادہ واقعات گئوکشی، گائے لے جانے، اس کے گوشت کھانے کے جھوٹے جرم میں ہوئے ہیں، یہ تو آپ نے بخوبی جان لیا، ملک اور بیرون ملک اس کی سخت مذمت ہو رہی ہے۔ آر ایس ایس اور مودی حکومت کو سیدھا نشانہ بنایا جا رہا ہے، مگر تعجب یہ ہے کہ گوشت کی برآمدگی کے لیے گایوں کا ذبیحہ کرنے والی تمام کمپنیوں کے مالک ہندو اور جین حضرات

ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک ہندوستان میں کئی صوبوں میں گایوں کے گوشت پر پابندی نہیں ہے اور کھانے والوں میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، بلکہ بعض بی جے پی کے بڑے سیاسی لیڈر بھی اس میں شامل ہیں۔ وہ اعلانیہ کہتے ہیں، ہم گائے کا گوشت کھاتے ہیں جس کا جی چاہے ہمیں روکے۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ملک بھر میں مسلمانوں کو خاص نشانہ بنایا جارہاہے، مگر اسی کے ساتھ دلت اور آدی واسی بھی ہیں اور سوال صرف اتنا نہیں کہ انھیں تنہا دیکھ کر نشانہ بنایا جارہاہے، بلکہ ٹرینوں میں بھی مدارس کے طلبہ کو اتار اتار کر چیک کیا جارہاہے ۔ مسلمانوں کے ساتھ خاص بات یہ ہے کہ پہلے گایوں کے لے جانے، گائے کے گوشت خریدنے، یا گھر کی فریج میں گائے کا گوشت ہونے کا جھوٹا الزام لگایا، گوشت گھر میں ہونے کے الزام کا پہلا حادثہ اخلاق احمد کے ساتھ پیش آیا، صرف شبہہ کی بنیاد پر انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اہل خانہ کو بھی خوب پیٹا، مگر جب گوشت کو چیک کیا گیا تووہ گائے کا گوشت ہرگز نہیں تھا، اسی طرح الور، راجستھان میں یکم اپریل ۲۰۱۷ء کو پہلوخان، ان کے دونوں بیٹوں اور ساتھیوں کے ساتھ حادثہ پیش آیا، ان کے پاس سارے دستاویز تھے، مگر انھیں لے کر ظالموں نے پھاڑ دیا اور پہلوخان کو جان سے مار دیا، اس وقت بھی اسی مرحوم کے خلاف گئوکشی کے لیے اسمگلنگ کا مقدمہ بنا کر کیس دائر کیا گیا اور اس کے بعد کانگریس نے بھی ان کے خلاف وہی کیس داخل کیا، جب کہ یہ پوری ویڈیو آج بھی موجود ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ احتجاج کرنے والوں پر بھی بعض مقامات پر پتھر بازی کی گئی اور پولیس نے لاٹھی چارج کیا، جیسا کہ میرٹھ اور آگرہ میں ہوا۔ مزید قابلِ نفرت عمل یہ ہے کہ گرفتاریاں بھی مسلمانوں ہی کی ہو رہی ہیں۔

اس تمام احوال کی روشنی میں ہم حکومتِ ہند سے چند مطالبات کرتے ہیں:

(۱)-ماب لنچنگ ایک انتہائی بدترین طرزِ فکر اور افسوس ناک عمل ہے، اس سے ملک و ملت کا سکون سخت خطرے میں ہے۔ فرضی جرائم بنا کر کسی فرد یا چند افراد پر ظلم و جبر اور قتل و غارت گری کی ناپاک منزلوں سے گزارنا سخت قابلِ مذمت ہے۔ ہم حکومتِ ہند سے پر زور مطالبہ کرتے ہیں وہ مرکزی اور صوبائی سطح پر سخت قانون بنائے، قاتلوں کو پھانسی اور مجرموں اور تماش بینوں کو عمر قید یا سخت سزائیں دے۔

(۲)-طاقت کی بنیاد پر کسی فرد سے جے شری رام، جے ہنومان، وندے ماترم یا اس قسم کے نعرے لگوانا ایک بدترین عمل ہے، یہ کسی بھی مذہب میں روا نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کی ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی وغیرہ سب مخالفت کر رہے ہیں، جیسا کہ آپ ملک اور بیرون ملک کے ماب لنچنگ کے خلاف سیکڑوں مظاہروں میں خود دیکھ سکتے ہیں۔

(۳)-گاؤکشی کے جھوٹے الزام میں جھوٹے گئور کچھک جو غنڈہ گردی کر رہے ہیں اس کی بھی دنیا بھر میں شدید مذمت ہو رہی ہے۔ نام نہاد مجرموں کو اس جمہوری ملک میں خود سزا دینا کہاں کا انصاف ہے، کیا یہ تھانے، کچہریاں اور عدالتیں اس کے لیے کافی نہیں ہیں۔ ان گئور کچھکوں کے تعلق سے بھی سخت ترین قانون بننا چاہیے۔

(۴)-مقتول تبریز انصاری اور متعدّد مقتولین کے تعلق سے جو تفصیلات سامنے آئی ہیں ان میں خود پولیس بھی خاموش تماشائی بنی رہی اور ہاسپیٹلز کے ڈاکٹر بھی اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ناکام رہے، بلکہ ان کا نقطۂ نظر یہی سامنے آیا کہ وہ خود چاہتے رہے کہ مظلوم کو مردہ قرار دے دیا جائے، جیسا کہ تبریز انصاری کے معاملے میں ہوا کہ ڈاکٹر نے ان کی موت سے چند گھنٹے قبل ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ ان جرائم کے تعلق سے بھی سخت ترین سزاؤں کا نفاذ ہونا چاہیے

(۵)-ہم حکومتِ ہند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اسے مسلم خواتین کی نام نہاد ہمدردی میں تین طلاق کے قانون کی منظوری میں تو بہت جلدی ہے مگر یہ لوگ جو ہجومی تشدد کا شکار ہو رہے ہیں، ان کی مائیں، بہنیں اور بیویاں بھی تو خواتین ہیں، حکومتِ ہند کو ان کی ہمدردی کیوں نہیں ہے ؟ ہم ایک بار پھر عرض کرتے ہیں وہ اپنی جھوٹی ہمدردی کا ڈرامہ نہ کرے بلکہ حق و انصاف کے ساتھ فیصلے صادر کرے، مذہبی تعصب ایک بدترین کردار ہے، اس سے ہماری حکومت کو باز رہنا چاہیے۔

(۶)-حکومت کو چاہیے کہ وہ ہر ضلع میں اپنے چند حساس لوگوں کو حالات پر نگاہ رکھنے کی لیے منتخب کرے اور انھیں کی رپورٹ پر مقدمہ دائر ہو۔ ان کی ذمہ داری یہ بھی ہونا چاہیے کہ وہ ہجومی تشدد پر سخت نگاہ رکھیں، اگر کہیں کوئی واردات ہو یا اس کے آثار محسوس ہوں تو وہ اولین فرصت میں ان پر کنٹرول کرے اور ظلم و تشدد میں پیش قدمی کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کرے۔

(۷)- مسلمانوں، دلتوں اور دیگر اقلیتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی رہائشوں اور سفر و حضر کے دیگر معاملات میں محتاط رہیں، ان کے پاس انتظامیہ یعنی پولیس، چوکیوں، تھانوں اور علاقے کے بااثر حضرات کے نمبر رہنا چاہیے تاکہ بروقت مطلع کر سکیں۔

(۸)- ہجومی تشدد کے خلاف مظاہرے اور ریلیاں بھی بہت اچھی پہل ہے، مگر اسی کے ساتھ ذمہ داروں کو چاہیے کہ وکلا کو لے کر قانونی کارروائی کا سلسلہ بھی جاری رکھیں۔ جہاں تک اخراجات کا سوال ہے، ہر ضلع میں امن وامان بحال رکھنے اور دیگر اہم ضروریات کی تکمیل کے لیے فنڈ جمع کرتے رہیں تاکہ بروقت اخراجات میں دقت پیدا نہ ہو۔ عملی کارگزاری کے لیے اصل معاملہ یہی درپیش ہوتا ہے کہ پیسہ کہاں سے آئے، جب پہلے سے اخراجات کے مسائل حل ہوں گے تو پیش قدمی کرنے والے خوب محنت کر کے بڑی حد تک مسائل حل کرا دیں گے۔

(۹)- اگر کسی فرد کو ہجومی دہشت گرد اپنے نرغے میں لے لیں، ہزار منت و سماجت کے بعد اسے یقین ہو جائے کہ یہ ظالم اور دہشت گرد کسی بھی صورت میں زندہ نہیں چھوڑیں گے تو وہ مظلوم ان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے۔ جہاں تک ملکی دستور کی بات ہے ہم نہیں سمجھتے کہ یہ کوئی زیادتی ہوگی، بلکہ اپنی جان بچانے کے لیے ایک انسان کو بھرپور محنت کرنا چاہیے، یہ ایک سچائی ہے کہ ظالم و قاتل حملہ آوار تو ہوتا ہے مگر اس میں مرنے اور جان دینے کا حوصلہ نہیں ہوتا، اگر یہ مظلوم ہی حملہ آور ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا۔

مفکرِ اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی کی اہلیہ کے لیے دعائے مغفرت

مفکرِ اسلام علامہ محمد قمر الزماں اعظمی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ جامعہ اشرفیہ کے ممتاز فاضل، حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے ارشد تلمیذ اور عالمِ اسلام کے مایہ ناز خطیب و مبلغ ہیں۔ آپ جامعہ اشرفیہ کے بہی خواہ ہیں اور اپنی نجی و عوامی محفلوں میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا تحسین آمیز تذکرہ کرتے ہیں، اس کے فارغین کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ۱۴؍ جون ۲۰۱۹ء تقریباً ایک بجے شب میں مانچسٹر، انگلینڈ میں ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ مذکورہ خیالات کا اظہار الجامعۃ الاشرفیہ کے صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا مفتی محمد نظام الدین رضوی نے جامعہ اشرفیہ میں منعقدہ ایک تعزیتی نشست میں کیا۔ مفتی موصوف نے مرحومہ کی حیات ظاہری پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید کہا کہ مرحومہ نیک سیرت اور دین دار خاتون تھیں اور علامہ اعظمی کے تبلیغی مشن میں ان کی شریک بھی۔ انھوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی تعلیم و تربیت بھی ایک خاص طرز پر کی ہے اور انھیں دین داری و خوش اخلاقی کی دولت بخشی ہے۔ موصوف نے آگے کہا کہ آج کی اس مختصر تعزیتی نشست میں ہم ان کی اہلیہ مرحومہ کے لیے دعاے مغفرت کرتے ہیں اور مفکرِ اسلام اور ان کے اہلِ خانہ و متعلقین کی بھرپور تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آمین۔

اس موقع پر جامعہ اشرفیہ کے جملہ اساتذہ نے شرکت کی، اخیر میں قاری محمد ابوذر مصباحی اور قاری عبد الرحمٰن مصباحی نے قل شریف پڑھا اور مفتی محمد نظام الدین رضوی نے مرحومہ کے لیے دعاے مغفرت کی۔

مفکرِ اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی کی اہلیہ محترمہ کے لیے دعائے مغفرت

آج ہمیں یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ مفکرِ اسلام علامہ محمد قمر الزماں اعظمی دامت برکاتہم القدسیہ کی اہلیہ محترمہ کا ۱۰؍ شوال ۱۴۴۰ھ/۱۴؍ جون ۲۰۱۹ء (مانچسٹر) انگلینڈ میں قریب ۱؍ بجے وصال پر ملال ہو گیا۔ مرحومہ مغفورہ نیک سیرت، بلند اخلاق اور عابدہ زاہدہ تھیں، اہلِ خانہ اور اپنے مہمانوں سے انتہائی خوش مزاجی سے ملتی تھیں۔ ان کے پانچ فرزند ارجمند اور تین صاحب زادیاں ہیں، تمام اولاد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ مذکورہ باتیں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مدیرِ اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنے ایک تعزیتی بیان میں کہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ موت ہر جاندار کے لیے برحق ہے، یہ حادثۂ فاجعہ آپ کے لیے اور آپ کی اولاد و امجاد کے لیے ایک بڑے غم کا مرحلہ ہے۔ اس قسم کے حادثات سے جو دوچار ہوتے ہیں انھیں اپنوں کی جدائی کا شدید احساس ہوتا ہے۔ اہلیہ محترمہ کی جدائی یقیناً آپ کے لیے ایک بڑا صبر آزما موقع ہے۔ آپ کے صاحب زادگان اور صاحب زادیوں کے سروں سے ان کی والدہ ماجدہ کا سایہ اٹھ جانا بلا شبہہ غم انگیز اور کبھی ختم نہ ہونے والا الم ناک مرحلہ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں مولا تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خدماتِ جلیلہ کے اجر و ثواب سے ان کو سرفراز فرمائے، کروٹ کروٹ جنت الفردوس کی بہاروں سے شاد کام فرمائے، خاص طور پر آپ کو، آپ کی اولاد امجاد اور دیگر تمام وابستگان کو صبر و شکر کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کے اس غم میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے تمام ذمہ داران اور اساتذۂ کرام برابر کے شریک ہیں، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سربراہِ اعلیٰ عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی دامت برکاتہم العالیہ بھی خاص طور پر تعزیت پیش فرماتے ہیں اور مرحومہ کے لیے خصوصی دعاے مغفرت فرماتے ہیں۔

[نوٹ: یہ دونوں خبریں روزنامہ انقلاب بنارس میں شائع ہو چکی ہیں۔ از نامہ نگار رحمت اللہ مصباحی]

حضرت شیخ العالم خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

عابد نظامی

ہندوپاک میں اسلام صوفیاے کرام کی مساعی جمیلہ سے پھیلا۔ اس خطے میں ان مردانِ باخدا کا وجود مسعود اللہ تعالی کا بہت بڑا انعام تھا (اور بفضلہٖ تعالی اب بھی ہے)۔ برصغیر میں مسلمان سلاطین نے کم و بیش ایک ہزار سال تک حکومت کی، اس دوران میں ہندوؤں نے اسلامی کلچر کو نقصان پہنچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر صوفیاے کرام کی مسلسل تبلیغی کوششوں کے سامنے وہ کبھی کامیاب نہ ہوسکے۔ پروفیسر ایچ. آر. گب نے کتنا صحیح لکھا ہے:

تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیا کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔ (اسلامک کلچر مطبوعہ لندن)

صوفیاے کرام کا ہاتھ ہمیشہ ملت کی نبض پر اور دماغ تجدید و احیا کی تدابیر سوچنے میں مصروف رہا۔ مادیت کے سیلاب کو روکنے اور ذہنی انتشار کو ختم کرنے کا جو عظیم الشان کام اس جماعت نے سرانجام دیا وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

بلاشبہ ان بزرگوں نے جب کبھی قوم کا اخلاقی مزاج بگڑتا ہوا دیکھا تو اپنی تمام تر ذہنی اور عملی صلاحیتیں صحت مند عناصر کو ابھارنے میں صرف کردیں۔

حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دہلی میں تبلیغ و ہدایت کے منصب پر مامور فرمایا تو اس وقت حالات نہایت ہی نامساعد تھے، سلطان التمش کی وفات ہوچکی تھی، بڑے بڑے علما موقع سے فائدہ اٹھا کر میدان سیاست میں کود پڑے تھے۔ لیکن حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیاسی بکھیڑوں سے بچ کر دینِ حق کی خاطر جو شاندار خدمات سرانجام دیں، وہ آج بھی تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔

حضرت بابا صاحب دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادے پر بیٹھے تھے، لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ دارالسلطنت کا ماحول تبلغ و ترویج پر اثرانداز ہونے لگا ہے تو وہ دہلی چھوڑ کر ہانسی تشریف لے گئے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ کے پیر و مرشد نے یہی مقام آپ کو دیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا ”میرے پیر نے جو نعمت مجھے عطا فرمائی وہ کسی خاص مقام سے وابستہ نہیں ہے“ (سیر الاولیا صفحہ ۷۳)

حضرت بابا صاحب پہلے ہانسی اور بعد میں اجودھن تشریف لے گئے۔ اجودھن پاک پتن کا پرانا نام ہے۔ یہاں بابا صاحب نے اپنی تربیت خاص کے سانچے میں ڈھال کر جو لوگ تیار کیے ان میں شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ بدر الدین اسحاق، شیخ نظام الدین اولیا محبوب الہی، شیخ علی احمد صابر کلیری اور شیخ عارف جیسے مردان حق شامل ہیں جو بابا صاحب کے مکتبِ صحبت سے فارغ ہونے کے بعد ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے اور ہر طرف خدا کے دین کا بول بالا کردیا۔

بابا صاحب کا شجرہ نسب: تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صحیح النسل فاروقی ہیں۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا سلسلہ نسب اس طرح مل جاتا ہے:

1۔ حضرت شیخ جمال الدین سلیمان (والد)۔ 2۔ شیخ شعیب۔ 3۔ شیخ احمد۔ 4۔ شیخ یوسف۔ 5۔ شیخ محمد۔ 6۔ شیخ شہاب الدین۔ 7۔ شیخ احمد (معروف بہ فرخ شاہ بادشاہ کابل)۔ 8۔ شیخ نصیر الدین۔ 9۔ محمود شاہ۔ 10۔ سامان شاہ۔ 11۔ شیخ سلیمان۔ 12۔ شیخ مسعود۔ 13۔ شیخ عبداللہ واعظ الاکبر۔ 14۔ شیخ ابوالفتح۔ 15۔ شیخ اسحاق۔ 16۔ حضرت خواجہ ابراہیم شاہ بلخ۔ 17۔ خواجہ ادھم۔ 18۔ شیخ سلیمان۔ 19۔ شیخ ناصر۔ 20۔ حضرت عبداللہ۔ 21۔ امیر المومنین حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

والدین کریمین: بابا صاحب کے دادا حضرت شیخ شعیب کو اللہ تعالی نے تین فرزند عنایت فرمائے:

1۔ خواجہ جمال الدین سلیمان۔2۔ خواجہ احمد
3۔ خواجہ سعد حاجی

خواجہ جمال الدین سلیمان حضرت بابا صاحب کے والد تھے جو نہایت عالم و فاضل اور دیندار بزرگ تھے۔ جن دنوں خواجہ شعیب کھتوال میں سکونت پذیر تھے، انہی دنوں نواحِ کابل سے ایک خاندان ہجرت کر کے قصبہ کوٹ کروڑ (نواح ملتان) اقامت گزیں ہوا۔ اس خاندان کے سربراہ مولانا وجیہہ الدین خجوندی تھے، جو متبحر عالم اور نہایت متقی بزرگ تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ملتا تھا۔ ان کی صاحبزادی قرسم خاتون تھیں۔ خواجہ شعیب نے مولانا وجیہہ الدین خجوندی سے اپنے فرزند خواجہ سلیمان کے لیے بی بی قرسم خاتون کے رشتے کی درخواست کی۔ مولانا خجوندی فوراً رضامند ہو گئے اس طرح خواجہ سلیمان اور بی بی قرسم خاتون کا عقد عمل میں آیا۔

خواجہ سلیمان کی طرح حضرت بی بی قرسم خاتون بھی نہایت عبادت گزار اور شب زندہ دار خاتون تھیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا کہ وہ کثرتِ عبادت کی بدولت درجہ ولایت پر فائز تھیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ: ایک رات بی بی قرسم خاتون نماز تہجد میں مشغول تھیں کہ ایک چور گھر میں گھس آیا۔ جوں ہی بی بی صاحبہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ بینائی سے محروم ہو گیا۔ اس پر اس نے گریہ و زاری شروع کر دی اور کہنے لگا کہ جس نیک بخت کی بددعا سے میری بینائی سلب ہوئی ہے میں اس سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میری بینائی دوبارہ مجھے جائے تو میں عمر بھر چوری نہ کروں گا۔

بی بی صاحبہ کو اس کی فریاد اور گریہ زاری پر ترس آ گیا اور انھوں نے بارگاہ الٰہی میں اس کی بینائی کے لیے دعا کی۔ چور کی بصارت عود کر آئی۔ اس وقت بی بی صاحبہ کے قدموں میں گر کر معافی اور رخصت ہو گیا۔

اگلی صبح وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور اہل و عیال سمیت مشرف باسلام ہو گیا۔ حضرت بی بی صاحبہ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا۔ عبداللہ قبول اسلام کے بعد کثرت مجاہدات و ریاضات کی بدولت درجہ ولایت پر پہنچا اور اسے خاندانِ خواجہ شعیب کی طرف سے ”چاولے مشائخ“ کا لقب عطا ہوا۔ بعد میں قصبہ کھتوال اسی کے نام سے ”چاولے مشائخ“ سے مشہور ہو گیا۔

حضرت خواجہ شعیب اور خواجہ سلیمان کو اللہ تعالی نے تین فرزند اور ایک صاحبزادی عطا فرمائی جن کے نام یہ ہیں

1۔ حضرت عزیز الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔2۔ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔3۔ حضرت نجیب الدین متوکل۔4۔ حضرت بی بی ہاجرہ ملقب بہ جمیلہ خاتون (والدہ ماجدہ حضرت مخدوم سید علاوالدین علی احمد صابر کلیری)۔

ابتدائی تعلیم: حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابھی کم سن تھے کہ ان کے والد ماجد نے وفات پائی اور ان کی تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری ان کی والدہ محترمہ کے سر پر آ پڑی۔ وہ خود علم و فضل کے اعتبار سے بلند مقام رکتی تھیں۔ انھوں نے نہایت توجہ سے اپنے لخت جگر کی پرورش اور تربیت کی۔ بابا صاحب نے ابتدائی تعلیم کھتوال سے حاصل کی۔ نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ جو سبق ایک دفعہ پڑھ لیتے ہمیشہ کے لیے ذہن نشین ہو جاتا۔

بابا صاحب بچپن میں ہی نہایت اعلی اخلاق کے مالک تھے۔ بد تمیز اور شرارتی بچوں کے ساتھ نہ کھیلتے۔ ان کی والدہ کی تربیت کا یہ عالم تھا کہ کم سنی میں ہی نماز کے سخت پابند ہو گئے تھے۔ سات سال کی عمر میں انھوں نے تمام ابتدائی دینی کتب ختم کر لیں تو والدہ کو ان کی مزید تعلیم کی فکر ہوئی۔ کھتوال میں کوئی ایسا عالم نہ تھا جو آپ کو علوم متداولہ کی تکمیل کرا سکتا۔ ملتان ان دنوں علم و دانش کا مرکز تھا، وہاں بڑے بڑے نامور علما موجود تھے، چنانچہ بابا صاحب کی والدہ نے انہیں مزید تعلیم کے لیے ملتان بھیج دیا۔

ملتان میں قیام: ملتان پہنچ کر آپ نے ایک مسجد میں قیام کیا۔ یہ مسجد ایک سرائے میں واقع تھی، جہاں اس دور کے ایک نامور عالمِ دین مولانا منہاج الدین ترمذی درس دیا کرتے تھے۔ بابا صاحب نے انہی سے علوم دینیہ کی تعلیم شروع کی اور دو تین سال کے اندر اندر تفسیر، حدیث، اصول، معانی، فلسفہ، منطق، ریاضی اور ہیئت کی کتابیں ختم کر لیں۔ ایک روایت ہے کہ انھوں نے قرآن مجید بھی اسی مسجد میں حفظ کیا (بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق قرآن حکیم بابا صاحب نے کھتوال ہی میں حفظ کر لیا تھا)۔

اسی مسجد میں ایک روز بابا صاحب فقہ کی مشہور کتاب نافع پڑھ رہے تھے کہ قطب عالم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں تشریف لائے۔ انھوں نے بابا صاحب کو مصروف مطالعہ پا کر پوچھا؛ میاں! کیا پڑھتے ہو؟

آپ نے جواب دیا نافع! حضرت نے پھر سوال کیا: کیا اس کے مطالعہ سے تمہیں کچھ نفع حاصل ہو گا؟

اب جو بابا صاحب کی قطب عالم سے نظریں چار ہوئیں تو عجیب

کیفیت ہوئی، فوراً قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا: حضرت نفع تو مجھے آپ کی نگاہِ کیمیا اثر سے حاصل ہوگا!

اب کیا تھا۔ بابا صاحب حضرت خواجہ قطب صاحب کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے۔ حضرت قطب صاحب جتنے روز ملتان مقیم رہے بابا صاحب ان کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے، جب قطب صاحب دہلی کے لیے روانہ ہونے لگے تو بابا صاحب بھی ان کے ساتھ چل دیئے۔ ابھی چند میل ہی چلے ہوں گے کہ قطب صاحب نے ارشاد فرمایا:

"میرے عزیز! ابھی کچھ مدت اور علم ظاہری کی تحصیل میں صرف کرو۔ فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آجانا۔ ان شاء اللہ اپنی مراد کو پہنچو گے۔"

بابا صاحب نے پیرو مرشد کے اس ارشاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

ملتان سے تکمیلِ علوم کے بعد انھوں نے مزید پانچ سال تعلیم کے لیے خطہ قندھار، غزنی، بغداد، سیوستان اور بدخشاں وغیرہ میں گزارے اور پھر دہلی میں آئے۔ جہاں حضرت قطب صاحب کے آستانے پر حاضری دی۔ قطب صاحب نے فرمایا: "خوب ہوا۔ تم اپنا کام پورا کر کے میرے پاس آئے"

بعض تذکروں میں یہ بھی ہے کہ بابا صاحب نے دہلی آکر حضرت قطب صاحب کی بیعت کی۔ خود "فوائد السالکین" میں بابا صاحب نے اپنی بیعت کا واقعہ اس طرح سے بیان کیا ہے؛

جب اس بندہ حقیر خادمِ درویشاں کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نعمتِ قدم بوسی حاصل ہوئی، تو آپ نے اسی وقت کلاہ چہار ترکی میرے سر پر رکھی۔ اس مجلس میں قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا علاء الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ نظام الدین الموید، مولانا شمس الدین ترک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ محمود موئنہ دوز اور بہت سے دوسرے درویش موجود تھے۔ اسی موقع پر حضرت خواجہ بختیار کاکی نے فرمایا: "اے فرید! مرشد میں اتنی قوت باطنی ضرور ہونی چاہیے کہ جو شخص اس سے بیعت کا طالب ہو اس کے سینے کی آلائش کو اپنے تصرفِ روحانی سے ایک ہی نگاہ میں دور کر دے اور اس کے بعد اس سے بیعت لے کر واصل الی اللہ کر دے۔ اگر مرشد میں اتنی قوت نہیں تو پیر اور مرید دونوں بادیہ ضلالت میں ہیں۔"

بعض تذکرہ نگاروں نے قیاساً لکھا ہے کہ قطب صاحب نے ملتان میں بابا صاحب سے رسمی بیعت لی اور جب وہ تعلیم و سیاحت سے فارغ ہو کر دہلی آئے تو ان کے سر پر کلاہ چہار ترکی رکھی اور باقاعدہ اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرمایا۔

بابا صاحب نے دیکھا کہ دہلی میں ہجوم مرداں کی وجہ سے یکسوئی میسر نہیں تو مرشدِ کامل کی اجازت سے ہانسی چلے گئے، لیکن وہاں سے دہلی آتے جاتے رہے۔

ایک دفعہ آپ دہلی آئے تو خواجہ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی تشریف فرما تھے۔ چناچہ آپ ان کی توجہ سے فیض یاب ہوئے۔ "سیر العارفین" میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بابا صاحب کے ذوق و شوق اور روحانی استعداد سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے ان کے پیرو مرشد اور اپنے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے فرمایا:

"بابا بختیار! شہباز عظیم بقید آوردہ کہ جز بہ سدرۃ المنتہی آشیاں نگیرد۔ این فرید شمعیست کہ خانوادہ درویشاں منور سازد۔"

(سیر العارفین صفحہ ۲۳)

گنج شکر: گنج شکر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے مختلف روایات لکھی ہیں یہاں پر صرف تین روایتیں درج کی جاتی ہیں۔

تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے کہ بابا صاحب کی والدہ ماجدہ بچپن میں نماز کی پابندی کرانے کے لیے ان کی جانماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں اور ان سے فرماتی تھیں کہ جو نماز پڑھتے ہیں، ان کی جانماز کے نیچے سے روزانہ ان کو شکر مل جاتی ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ والدہ شکر کی پڑیا رکھنا بھول گئیں۔ کچھ دیر بعد انہیں یاد آیا تو گھبرا کر پوچھا: مسعود! تم نے نماز پڑھی؟ بابا صاحب نے ادب سے جواب دیا: ہاں امی جان! نماز پڑھ لی اور شکر بھی کھالی۔ یہ جواب سن کر ان کی والدہ بڑی حیران ہوئیں اور سمجھ گئیں کہ اس بچے کی غیب سے مدد ہوئی ہے۔ چنانچہ اس وقت سے انھوں نے اپنے بچے مسعود کو گنج شکر کہنا شروع کر دیا۔

اخبار الاخیار، خزینۃ الاصفیا اور گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ ایک سوداگر گاڑی پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جا رہا تھا، جب اجودھن پہنچا تو راستے میں حضرت شیخ کھڑے تھے آپ نے اس سے پوچھا کہ اس میں کیا لدا ہوا ہے؟ سوداگر نے ٹالنے کے لیے کہا: نمک ہے بابا اس پر آپ نے فرمایا: اچھا نمک ہی ہوگا۔ سوداگر نے منزل پر پہنچ کر جب دیکھا تو بوروں میں شکر کے بجائے نمک تھا۔ بہت پریشان ہوا اور پھر واپس منزل اجودھن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی طلب کی۔ آپ نے فرمایا: جھوٹ بولنا بری بات ہے۔ آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ پھر فرمایا: بوروں میں شکر تھی تو ان شاء اللہ شکر ہی ہوگی۔

سوداگر نے جھوٹ سے توبہ کی اور جا کر بوروں کو دیکھا تو ان میں شکر بھری ہوئی تھی۔ بیرم خان خانخاناں نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے؎

کان نمک، جہان شکر، شیخ بحر و بر
آں گز شکر نمک کَند داز نمک شکر

تیسری روایت اس طرح سے ہے کہ: ایک دفعہ بابا صاحب نے اپنے پیر و مرشد حضرت قطب صاحب کے ارشاد کے مطابق تین دن کا روزہ رکھا۔ تیسرے روز افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لایا۔ آپ نے غیبی امداد سمجھ کر ان سے روزہ افطار کر لیا۔ لیکن فوراً ہی متلی ہونے لگی اور جو کچھ کھایا تھا قے کے ذریعے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد پیر و مرشد کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ عرض کیا۔ انھوں نے فرمایا وہ روٹیاں ایک شرابی جواری نے بھجوائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تیرے معدے نے اسے قبول نہیں کیا۔ اب تین روزے اور رکھو اور جو غیب سے میسر آئے اس سے افطار کرو۔

بابا صاحب نے تین دن کا روزہ رکھا۔ لیکن تیسرے روز افطار کے وقت کچھ میسر نہ آیا۔ رات کو بھوک نے بہت ستایا تو بابا صاحب نے چند کنکریاں اٹھا کر منہ میں رکھ لیں۔ اللہ کی قدرت کہ وہ کنکریاں منہ میں جاتے ہی شکر بن گئیں۔ بابا صاحب نے یہ واقعہ اپنے مرشد کریم کی خدمت میں بیان کیا تو انھوں نے فرمایا: ”سبحان اللہ، یہی غیب سے تھا۔ ان شاءاللہ تو شکر کی طرح ہمیشہ شیریں رہے گا اور گنج شکر کہلائے گا۔“

جعفر قاسمی نے اس ضمن میں بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ حضرت بابا صاحب کو گنجِ شکر اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا مزاج بہت میٹھا تھا۔

مسندِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد بابا صاحب پیر و مرشد کی اجازت ہانسَی شریف تشریف لے گئے اور ہمہ وقت تبلیغ اسلام اور خدمت خلق میں مصروف رہنے لگے۔ آپ کو ہانسی میں آئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ بیدار ہوتے ہی دہلی روانہ ہو گئے۔

دہلی میں معلوم ہوا کہ پیر و مرشد نے وصال سے قبل اپنا خرقہ، عصا، نعلین، مصلی اور دیگر تبرکات حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سپرد کیے اور وصیت کی کہ میرا جانشین فرید الدین مسعود ہوگا اور یہ سب تبرکات اسی کو دے دیے جائیں۔

بابا صاحب نے پیر و مرشد کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ بعد ازاں حضرت قطب صاحب کے سب خلفا اور ارباب صحبت جو دہلی میں موجود تھے جمع ہوئے اور سب نے حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قطب عالم کا جانشین تسلیم کیا۔ اسی محفل میں تمام تبرکات بابا صاحب کے سپرد کیے گئے۔

دہلی میں بابا صاحب نے اپنے مرشد گرامی کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتے اور صرف نماز جمعہ کے لیے حجرہ سے باہر تشریف لاتے۔ ایک جمعہ کو حجرہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک درویش باہر کھڑا ہے اس نے بابا صاحب کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا: ”شیخ عالم! ہانسی کے لوگ آپ کی جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں، کرم فرمائیے اور ہانسی کو پھر اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائیے۔“

بابا صاحب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ہانسی جانے کے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ اس سے لوگوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور انھوں نے آپ سے دہلی ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی۔ لیکن بابا صاحب نے فرمایا: ”دہلی کی نسبت ہانسی کو میری زیادہ ضرورت ہے۔ اس لیے میرا وہاں جانا ضروری ہے۔“

یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے اور بابا صاحب ہانسی تشریف لے گئے۔

ہانسی میں ایک مدت تک قیام فرما رہے۔ وہاں کے لوگوں نے بابا صاحب کے وجود مسعود سے خوب خوب فیض اٹھایا۔ شیخ جمال الدین ہانسوی عرصہ سے وہاں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے۔ بابا صاحب نے اپنی باطنی توجہ سے انہیں درجہ کمال تک پہنچا دیا اور جب ہجوم خلق حد درجہ بڑھا تو شیخ جمال الدین ہانسوی کو اپنی سند خلافت دیکر انہیں ہانسی میں ٹھہرنے کی ہدایت فرمائی اور خود اجودھن (پاک پتن) کی طرف چل پڑے جہاں کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی مخلوق کا یہ علاقہ مدت سے باران رحمت کا منتظر تھا۔

بابا صاحب پاک پتن میں: ہانسی سے بابا صاحب کھتوال پہنچے اور اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں رہنے لگے، لیکن خلقت کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سے ٹوٹی پڑتی تھی۔ آپ طبعاً عزلت پسند تھے۔ جب ہجوم خلق سے بیزار ہو گئے تو ایک روز والدہ صاحبہ سے اجازت لے کر کھتوال سے چل پڑے۔ پھرتے پھراتے ایک غیر معروف قصبہ اجودھن میں پہنچے۔ اجودھن ان دنوں جنگلوں سے گھرا ہوا اور حشرات الارض کا دل پسند مسکن تھا۔ قصبہ کے اطراف میں دور دور تک کفار اور مشرکین کی بستیاں تھیں۔

بابا صاحب نے اپنے قیام کے لیے اس جگہ کو پسند فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شب خواب میں آپ کے مرشد گرامی حضرت قطب العالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ فرید! اس قصبہ میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لو اور مخلوق خدا کو راہ حق کی طرف بلاؤ۔

غرض اجودھن سے باہر مغرب کی سمت کریر کے ایک درخت کے نیچے بابا صاحب نے اپنا مصلی بچھایا اور یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

مخالفت: باباصاحب کی شبانہ روز کوشش سے جب اجودھن کے در و دیوار جب قال اللہ و قال الرسول سے گونجنے لگے اور ہر طرف مسلمانوں کی چہل پہل ہو گئی تو بعض کوتاہ اندیش محض حسد و بغض کی وجہ سے بابا صاحب کی مخالفت کرنے لگے۔ ان مخالفوں میں سب سے پیش پیش اجودھن کی مسجد کا پیش امام اور قاضی تھا۔ جس نے پہلے تو حکومت کے کارندوں کو باباصاحب کو ستانے پر اکسایا اور جب اس سے اس کا جی نہ بھرا تو باباصاحب کے ذوق سماع پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے لگا۔

ادھر باباصاحب کی وسیع القلبی کا یہ عالم تھا کہ وہ مخالفوں کی حرکات کو مطلق خاطر میں نہ لاتے تھے اور اپنا دل میلا نہ کرتے تھے۔ بابا صاحب کی اس شانِ بے اعتنائی سے قاضی کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور اس نے سماع کے جواز اور عدم جواز کے مسئلہ کی آڑ میں باباصاحب کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ اس نے ملتان کے علما سے آپ کے خلاف فتوی حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنے ایک خط میں علماے ملتان سے استفسار کیا کہ ایک شخص جو اہل علم میں سے ہے۔ قوالی سنتا ہے اور وجد کرتا ہے۔ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

علماے ملتان نے قاضی کو تحریر کیا کہ اس شخص کا نام لکھو۔ قاضی نے باباصاحب کا نام لکھ بھیجا۔ علماے ملتان نے حضرت کے خلاف فتوی جاری کرنے سے صاف انکار کر دیا اور قاضی کو لکھا کہ تم نے ایک ایسے درویش خدامست کا نام لکھا ہے جو تمام علوم شریعت کا منتہی ہے۔ ہماری کیا مجال کہ اس کے قول و فعل پر اعتراض کریں۔

قاضی کا یہ حربہ ناکام ہوا تو اس نے ایک آوارہ گرد لالچی قلندر کو باباصاحب کے قتل پر آمادہ کیا۔ یہ شخص کپڑوں کے نیچے اپنی کمر میں ایک تیز دھار چھرا چھپا کر آپ کے آستانے پر پہنچا۔ باباصاحب اس وقت عبادت میں مشغول تھے اور سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ صرف سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے پاس موجود تھے۔ باباصاحب نے حالت سجدہ ہی میں فرمایا:

”یہاں کوئی موجود ہے۔“

حضرت سلطان المشائخ نے جواب دیا:

”آپ کا غلام نظام الدین حاضر ہے۔“

باباصاحب نے فرمایا: یہاں ایک قلندر کھڑا ہے جو کانوں میں سفید رنگ کے مندرے پہنے ہوئے ہے۔

سلطان المشائخ نے اثبات میں جواب دیا تو باباصاحب نے فرمایا:

”اس شخص کی کمر کے ساتھ چھرا بندھا ہے اور یہ میرے قتل کے ارادے سے آیا ہے اور اس سے کہہ دو کہ اپنی عاقبت خراب نہ کرے اور یہاں سے چلا جائے۔“

اس سوال و جواب سے قلندر پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ بھاگ اٹھا اور سیدھا قاضی کے پاس جا کر دم لیا اور اسے کہا:

” ایسے مرد خدا کو قتل کرنا میرے بس میں نہیں۔“

اب قاضی نے ایک پٹواری کو اکسایا۔ جس نے باباصاحب کے فرزندوں کو ناحق ستانا شروع کیا۔ جب اس کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو صاحبزادوں نے باباصاحب سے فریاد کی باباصاحب جلال میں آ گئے اور اپنا عصا زور سے زمین پر پٹکا اور فرمایا:

"اب وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔“

اسی وقت ظالم پٹواری کے پیٹ میں درد اٹھا۔ اسے باباصاحب کے فرزندوں پر اپنی زیادتیاں یاد آئیں۔ اس نے لوگوں سے کہا، مجھے بابا صاحب کی خدمت میں لے چلو لوگ اسے چارپائی پر ڈال کر باباصاحب کی خدمت میں لا رہے تھے کہ راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اللہ تعالی نے آپ کے خلاف قاضی کی تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا اور رفتہ رفتہ آپ کے تمام دشمن اور حاسد خائب و خاسر ہو کر بیٹھ گئے۔

مریدوں کی تربیت: ایک روز مولانا جمال الدین ہانسوی جنگل سے ڈیلے اور مولانا بدر الدین اسحاق لکڑیاں لائے۔ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا نے ان کو ابالنے کے لیے چولہے پر چڑھا دیا۔ اتفاق سے اس روز لنگر خانے میں نمک موجود نہ تھا۔ سلطان المشائخ بازار جا کر بقال سے نمک قرض لائے اور ڈیلوں میں ڈالا۔ جس وقت دسترخوان بچھایا گیا اور سب فقرا جمع ہو گئے، تو دعا پڑھنے کے بعد حضرت باباصاحب نے لقمہ اٹھایا مگر فوراً ہی واپس رکھ دیا اور فرمایا:

”لقمہ گراں ہے، کوئی شبہ والی بات معلوم ہوتی ہے۔“

یہ سن کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: حضور! لکڑیاں تو حضرت مولانا سید بدر الدین اسحاق لائے ہیں اور ڈیلے مولانا جمال الدین لائے ہیں، پانی مولانا حسام الدین نے بھرا ہے اور ان کو جوش میں نے دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ لقمہ کس سبب سے گراں ہے۔

حضرت باباصاحب نے ایک لمحہ تامل کے بعد فرمایا:

”نمک کہاں سے آیا؟“

اتنا سننا تھا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا حیران رہ گئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: حضور کی ذات کاشف حالات ہے۔ یہ خطا مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ یہ ڈیلے کڑوے کسیلے ہوتے ہیں، اگر ان میں نمک نہ ہو تو پھر یہ کیسے کھائے جائیں گے محض اس خیال سے میں نے اس میں نمک قرض لے کر ڈال دیا ہے۔

حضرت نے یہ سن کر فرمایا: اچھا اب اس کھانے کو دوسرے فقرا میں تقسیم کردو اور پھر فرمایا: "نظام الدین! درویشاں اگر بفاقہ بمیرند برائے لذت نفس قرض نہ گیرند۔"

حضرت سلطان المشائخ نے اسی وقت دل میں عہد کیا کہ آئندہ تمام عمر قرض نہیں لوں گا۔ باباصاحب نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: ان شاء اللہ آئندہ تم کو قرض لینے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔

تنگ دستی کا علاج: حضرت باباصاحب کے پاس کوئی شخص دینی یا دنیاوی مشکل لے کر آتا تو وہ اسے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے۔ عام طور پر صبر کی تلقین فرماتے اور نماز پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔ ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ یا حضرت! میں بیحد تنگ دست ہوں۔ گھر میں عام طور فاقوں کی نوبت آ جاتی ہے۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور پھر اسے ہدایت کی کہ ہر روز رات کو سونے سے پہلے سورہ جمعہ پڑھ لیا کرو۔

بلبن کے نام خط: ایک بار پاک پتن میں کوئی ضرورت مند باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: حضور! بادشاہ کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیجیے تاکہ میرا کام بن جائے۔ آپ نے فرمایا کہ کام کرنے والا تو صرف اللہ تعالی ہے۔ میں تمھارے لیے دعا کرتا ہوں اس نے خط لکھنے کے لیے اصرار کیا تو حضرت باباصاحب نے سلطان بلبن کے نام یہ خط لکھ کر دے دیا:

میں نے اس شخص کی ضرورت کو اللہ تعالی کے سامنے پیش کیا۔ پھر تیرے پاس بھیج دیا۔ اگر تو اس کو کچھ دے گا تو دین اللہ تعالی کی ہو گی اور یہ تیرا شکر گزار ہوگا اور اگر کچھ نہ دے گا تو روک اللہ کی طرف سے ہوگی اور تو معذور سمجھا جائے گا۔

غوث بہاء الحق سے تعلق: حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت باباصاحب کے درمیان بہت محبت تھی۔ باباصاحب جب بھی انہیں خط تحریر فرماتے تو شیخ الاسلام بہاء الحق زکریا ملتانی لکھتے۔ ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا آپ جب بھی حضرت کا نام لیتے ہیں تو شیخ الاسلام ضرور کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے لوح محفوظ پر ان کے نام نامی کے ساتھ شیخ الاسلام لکھا ہوا دیکھا ہے۔ (سیر الاولیاص ۸۲)

ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق زکریا ملتانی نے باباصاحب کو خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ میرے تمھارے درمیان عشق بازی ہے۔ باباصاحب نے جواب میں لکھا کہ میرے اور آپ کے درمیان عشق تو ہے مگر بازی نہیں ہے۔ (سیر العارفین ص ۵۴)

بزرگوں کی روش: حضرت شیخ بدر الدین غزنوی آپ کے پیر بھائی تھے۔ دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لیے ایک خانقاہ بنوا دی تھی جہاں ان کے آرام وآسائش کا سارا سامان بہم پہنچایا تھا۔ ایک دفعہ ملک نظام الدین زر کثیر کے غبن میں ماخوذ ہوا جس سے شیخ بدر الدین کے آرام میں بھی خلل پڑنا شروع ہوا۔ ان حالات میں انھوں نے باباصاحب کی خدمت میں درد بھرا خط لکھا اور سارے حالات بیان کیے اور دعا کی درخواست کی:

فرید الدین و ملت یار زیرک — کہ بادش در کرامت زندگانی
دریغا خاطرم گر جمع داری — بدحش کردمے گوہر فشانی

باباصاحب نے یہ خط پڑھا تو جواب میں تحریر فرمایا:

"عزیز الوجود کا رقعہ ملا اور جو کچھ اس میں درج تھا، اس سے آگاہی ہوئی۔ جو کوئی اپنے بزرگوں کی روش پر نہ چلے گا، ضرور ہے کہ اسے اس طرح کا ماجرا پیش آئے اور وہ غم والم سے دوچار ہو۔ آخر ہمارے پیران عظام میں سے کون تھا جس نے اپنے لیے خانقاہ بنوائی اور اس میں جلوس فرمایا۔" (سیر العارفین ص ۵۱)

ذوق سماع: ایک روز حضرت باباصاحب کو سماع کا ذوق ہوا۔ اتفاق سے اس وقت کوئی قوال موجود نہ تھا۔ آپ نے مولانا بدر الدین اسحاق سے فرمایا کہ وہ خط جو قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھیجا ہے، لاؤ اور سناؤ۔ مولانا کھڑے ہوئے اور خط پڑھنا شروع کیا۔ اس میں حمد و نعت کے بعد تحریر تھا: فقیر، حقیر، نحیف، ضعیف، بندۂ درویشاں در دیدہ خاکپائے ایشاں محمد عطا المعروف حمید الدین ناگوری۔

اتنا سننا تھا کہ باباصاحب پر کیفیت طاری ہوگئی اور مولانا نے خط کی یہ رباعی پڑھی تو باباصاحب پر وجد طاری ہوگیا:

آں عقل کجا کی در کمالے تو رسد
آں روح کجا کی در جلال تو رسد
گیرم کہ پردہ گرفتی زجمال
آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

اسی طرح ایک روز آپ کو ذوق سماع ہوا اور آپ کی زبان پر مولانا نظامی کا یہ شعر آیا:

نظامی آنچہ اسرار است کز خاطر عیاں کردی
کسے سرّش نمیداند زباب در کش زباں در کش

اس شعر کو آپ تمام دن پڑھتے رہے، پھر رات کو بھی یہی حال رہا اور دوسرے دن بھی۔

ایک روز سماع کی حرمت وحلت پر گفتگو ہو رہی تھی تو فرمایا: سبحان اللہ! کوئی جل کر راکھ ہو جائے اور دوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہوں۔

ایک بار فرمایا: سماع انہی لوگوں کے لیے جائز ہے جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ ایک لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار فرشتے ان کے کان میں کچھ کہیں تو بھی ان کو خبر نہ ہو۔

وصال: ذوالحجہ ۶۶۳ہجری کے آخری دنوں میں بیماری نے شدت اختیار کی اور آپ کو بے ہوشی کے دورے ہونے لگے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی کوئی نماز حتیٰ کہ نفلی عبادت تک قضا نہ ہوئی اور وظائف واوراد بھی وقت پر ادا ہوتے رہے۔ محرم ۶۶۴ہجری کی چار تاریخ کو دہلی سے آپ کے مخلص قدیم سید محمد کرمان پرسش احوال کے لیے پاک پٹن آئے۔ حضرت بابا صاحب اس وقت حجرہ میں تھے اور دروازہ بند تھا۔ باہر صاحبزادگان اور چند مرید آپ کی جانشینی کے متعلق سرگوشیاں کر رہے تھے۔ جیسے ہی ان حضرات نے سید محمد کرمان کو دیکھا تو کہا: اس وقت اندر نہ جانا، حضرت کی طبیعت ناساز ہے۔ سید صاحب باہر بیٹھے سوچتے رہے کہ میں دہلی سے چل کر آیا ہوں، اگر یہ لوگ مجھے حضور کی قدم بوسی کر لینے دیں تو کیا حرج ہے آخر ان سے ضبط نہ ہوسکا اور وہ حجرے میں داخل ہو گئے اور بابا صاحب کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا: ”سید کیا حال ہے؟“

عرض کیا: حضور کی دعا سے اچھا ہوں، ابھی حاضر ہوا ہوں۔ اس کے بعد سید صاحب نے دہلی کے علما و مشائخ کے سلام عرض کیے۔ آخر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا سلام عرض کیا۔ جیسے ہی بابا صاحب نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا نام سنا تو خوش ہو کر پوچھا:

ان کا کیا حال ہے؟

عرض کیا: وہ ہر وقت حضور کی یاد میں رہتے ہیں۔

یہ سن کر بابا صاحب اور خوش ہوئے اور مولانا بدر الدین اسحاق سے فرمایا کہ جو تبرکات مجھے سلسلہ بہ سلسلہ اپنے حضرت سے پہنچے ہیں وہ نظام الدین محمد بدایونی کا حق ہے، ان کو پہنچا دینا۔

بعد ازاں نماز مغرب آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ عشا کی نماز آپ نے جماعت سے ادا کی، پھر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ نے سوال کیا: میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کی گئی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا:

ایک مرتبہ پھر پڑھ لوں۔ دوبارہ نماز عشا ادا کی تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے پر پھر یہ سوال کیا۔ کہا گیا: آپ دو مرتبہ عشاء کی نماز ادا کر چکے ہیں، فرمایا: ایک دفعہ اور پڑھ لوں، ممکن ہے پھر موقع نہ ملے۔ یہ فرما کر آپ نے عشا کی نماز مع وتر ادا کی اور پھر تازہ وضو کیا۔ اس کے بعد سجدہ کیا اور سجدہ ہی میں ایک مرتبہ زور سے یاحیُ یاقیوم کہا اور جاں جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وصال سے چند منٹ پہلے پوچھا: نظام الدین دہلی سے آئے یا نہیں؟ کہا گیا، جی نہیں۔ فرمایا کہ میں بھی اپنے شیخ کے انتقال کے وقت ان کے پاس موجود نہ تھا، ہانسی میں تھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کو اطلاع ہوئی تو وہ پاک پٹن آئے۔ حضرت بابا صاحب کا مزار شریف تعمیر کرایا اور اس اہتمام سے کہ ہر اینٹ پر ایک قرآن شریف ختم کیا۔

معمولات: بابا صاحب کا معمول تھا کہ وہ آنے والوں کی سہولت کے لیے اپنی خانقاہ آدھی رات تک کھلی رکھتے تھے۔ رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گزارتے تھے اور سورج طلوع ہونے کے بعد بھی عبادت اور مراقبے میں مشغول رہتے تھے۔ طہارت و صفائی ان کی فطرت ثانیہ تھی ہر روز غسل فرماتے۔

صبح عبادت کے بعد دو گھنٹے تک طویل سجدہ کرتے اور اس دوران میں کبھی چپ چاپ دعا مانگتے اور کبھی اپنے خالق و مالک کی حمد و ثنا میں اشعار پڑھتے۔ کبھی تمام مخلوق کے لیے رحمت و بخشش کی دعائیں مانگتے اور بے حد گریہ و زاری کرتے۔ اس کے بعد دو پہر تک آنے والوں سے ملاقات کرتے۔ پھر مختصر سے قیلولے کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اور اس کے بعد خانقاہ کے مکینوں کی ضروریات پوری کرنے پر توجہ دیتے۔ ہر ایک سے اس کی خیریت دریافت فرماتے اور کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو فوراً دور کرنے کی کوشش کرتے۔ ہر آنے والا ان تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

مقام رضا: زہد و ریاضت میں بابا صاحب کی مثال نہ تھی۔ عمر کے آخری ایام میں اکثر فرمایا کرتے تھے: چالیس برس تک اللہ کے بندے مسعود نے اپنے آقا و مولیٰ کی اطاعت کی اب گذشتہ چند برسوں سے یہ حال ہے کہ آقا کی ذرہ نوازی سے مسعود کے فکر و خیال میں جو کچھ آیا، وہ حقیقت ثابت ہوا اور مسعود نے جو بھی آرزو کی وہ پوری ہوئی۔

بابا صاحب کے خلفا: حضرت کے بے شمار خلفا تھے جن کا مکمل رجسٹر حضرت جمال الدین ہانسوی کے پاس تھا۔ بعض خلفا کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1۔ حضرت خواجہ قطب شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ 2۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ 3۔ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ 4۔ حضرت شیخ بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ 5۔ حضرت نصیر الدین متبنیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ 6۔ حضرت بدر الدین سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 7۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ☆☆☆

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی **محمد نظام الدین رضوی** کے قلم سے

کیا BAMS ڈاکٹر ایلوپیتھک پریکٹس کر سکتا ہے؟

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبر کاتہ۔ میرا نام ڈاکٹر فضل ہے۔ میں اپنے شہر کے ایک ہسپتال میں ICCU میں میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے جوب کرتا ہوں اور مجھے ۷/سال کا علاج کا تجربہ ہے اور مریضوں کا اکثر حصہ اللہ عزوجل کے کرم سے میرے علاج سے شفا پاتا ہے۔

میں نے BAMS (Bachlor of Ayurvedic in Medical Sience) کی ڈگری حاصل کی ہے۔ سپریم کورٹ (Supreme Court) کے فیصلے کے مطابق ہم ایلوپیتھ پریکٹس کر سکتے تھے۔ مگر ایلوپیتھک ایسوسی ایشن نے اس کے خلاف گجرات ہائی کورٹ میں اپیل کی اور ہائی کورٹ نے ہمیں ایلوپیتھک پریکٹس کرنے پر اسٹے (Stay) دے دیا ہے۔ اگر آج کوئی BAMS کی ڈگری والا ڈاکٹر ایلوپیتھ کی پریکٹس کرتا ہے تو وہ قانوناً جرم مانا جاتا ہے اور اسے رشوت اور ذلت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مگر حکومت ہمیں میڈیکل آفیسر کے طور پر ملازم رکھتی ہے اور بعض اوقات ایلوپیتھ پریکٹس بھی کرواتی ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ میں اگر جوب چھوڑ کر خود اپنا ذاتی کلینک (Privet Clinic) کھول کر Alopethic Practice کروں تو یہ شریعت کے اعتبار سے جائز ہے؟ براے کرم جواب عطا فرمادیں تو میرے ساتھ ساتھ دیگر مسلمان ڈاکٹروں کو بھی رہنمائی حاصل ہوگی۔

الجواب

اصل حکم یہ ہے کہ جو ڈاکٹر جس طریقۂ علاج کی بخوبی واقفیت رکھتا ہے وہ اپنی واقفیت و تجربے کی حد تک مریضوں کا علاج کر سکتا ہے مگر جو بات قانوناً جرم ہو وہ شرعاً بھی ممنوع ہوتی ہے، اس لیے جن ڈاکٹروں کو ایلوپیتھک طریقۂ علاج سے علاج کرنا قانونِ ہند منع کرتا ہو وہ اس سے بچیں اور یونانی و آیورویدک کا ہی طریقۂ علاج اختیار کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

گجرات کے شہر اونا میں نماز کے اوقات کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ ہمارے شہر (UNA) گجرات میں نماز کے اوقات کے لیے ایک پرانی تقویم جو یہاں سے ۲۰۰/ کلو میٹر دور ایک جگہ پر بنائی گئی تھی، تقریباً ۸۰/۹۰/ سال پہلے جو یہاں اب تک رائج تھی۔ اب نئی تقویم خاص اونا کے لیے عرض البلد 20.8166° اور طول البلد 71.033° کے مطابق آئی جس میں لوگوں میں کچھ اختلاف ہوا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نئی تقویم یہاں کے عرض البلد اور طول البلد کے مطابق صحیح ہے۔ علم توقیت کی روشنی میں اس کی وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں، ساتھ میں نئی تقویم کے دو ماہ کے وقت کی کاپی بھیجی جا رہی ہے۔

الجواب

مجھے افسوس ہے کہ میں علمِ توقیت حاصل نہ کر سکا، اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی، ہمارے جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی اس علم سے بخوبی واقف ہیں، انھوں نے نقشۂ اوقات کی جانچ کر کے اس کی تصدیق فرما دی ہے۔ ان کی تصدیق حجت ہے، آپ حضرات اس پر عمل کریں، حضرت موصوف کی تصدیق کے الفاظ یہ ہیں:

”مرسلہ نقشۂ اوقات کی جانچ کی گئی، صحیح ودرست ہیں، البتہ گھڑیوں کی صحت کا پورا اہتمام ہونا چاہیے، خصوصاً رمضان میں یہ احتیاط ضرور کرلی جائے کہ مندرج وقت سے پانچ منٹ پہلے سحری ختم کردی جائے اور فجر کی اذان پانچ منٹ بعد دی جائے، مثلاً دس جولائی کو صبح صادق اور ختم سحر کا وقت 4:48 نقشے میں درج ہے تو سحری 4:43 پر ختم کردی جائے اور اذان مغرب وافطار میں تین منٹ دیر کی جائے مثلاً تاریخ مذکور میں مغرب کا وقت 7:31 لکھا ہوا ہے تو افطار واذان 7:34 پر شروع ہو۔ فجر، ظہر، عصر اور عشا کی اذانیں رمضان، غیر رمضان تمام ایام میں کم از کم پانچ منٹ بعد

ہوں۔ نمازوں کے اوقات میں رب تعالیٰ کی جانب سے وسعت رکھی گئی ہے، پانچ منٹ بعد اذان ہونے میں کوئی دشواری نہیں، ہاں افطار اور مغرب میں تعجیل بہتر ہے، اس لیے گھڑی کی صحت کے ساتھ تین منٹ تاخیر کافی ہے۔ سحری میں تاخیر مستحب ہے مگر فسادِ صوم کی حد سے بچنا ضروری ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ پانچ منٹ پہلے فارغ ہو جائیں، اس میں نہ فسادِ روزہ کا خطرہ ہے نہ خلافِ مستحب کا ارتکاب۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ تصدیق: محمد احمد مصباحی۔ ۱۴/۱۲/۱۴۳۴ھ

مرد یا عورت کے بدن پر شیطان کا سوار ہونا اور اسے خبطی بنا دینا

(۱)- کیا کسی عورت کے جسم میں کوئی صاحبِ مزار بزرگ آکر سوالات کے جوابات دے سکتے ہیں، ان بزرگ کے سوال کوئی مرحوم عورت بھی اس کے جسم میں آکر سوالوں کے جواب دے سکتے ہیں کیا؟

(۲)- کسی مسلم عورت کا نامحرم بابا سے جھاڑ پھونک کے ذریعہ بچہ دانی کا علاج کروانا کیسا ہے؟

(۳)- پہلے سوال میں مذکورہ عورت کہتی ہے کہ اس کے ایک غیر مسلم دوست کو ان صاحبِ مزار بابا نے جو اس کے جسم میں آتے ہیں غلام بنا لیا ہے، وہ عورت اس کے ساتھ دوسرے شہر مزارات پر حاضری کے لیے چلی جاتی ہے کیا اس طرح صاحبِ مزار کا کسی کو غلام بنانا ممکن ہے؟

(۴)- صاحبِ مزار بابا نے یہ بھی حکم دیا ہوا ہے کہ اس بچی (عورت کو وہ بچی کہتے ہیں) کا جسم کمزور ہے، شادی کے لائق نہیں ہے، جب کہ اس کی عمر ۳۲ سال ہے، کیا بابا ایسے کہہ سکتے ہیں، ہمارے صوبہ راجستھان انڈیا میں ایسے کئی معاملے ہو رہے ہیں، براہ مہربانی اصلاح فرمائیں۔

الجواب

(۱)- مرد یا عورت کے بدن پر شیطان سوار ہو کر اسے خبطی بنا دیتا ہے پھر اس کے دل و دماغ کو اپنے کنٹرول میں کر کے اس کی زبان سے بات کرتا اور لوگوں کے سوالات کے الٹے سیدھے جواب دیتا ہے اور جھوٹ بول کر اپنے کو کوئی ولی یا پیر یا شہید یا سید بابا وغیرہ ظاہر کرتا ہے، کوئی ولی کسی مرد یا عورت کے جسم میں سرایت نہیں کرتے نہ اسے مخبوط الحواس کر کے اس کی زبان سے بات کرتے ہیں، اور لوگ کسی مخبوط الحواس سے جو کچھ سنتے ہیں وہ یا تو شیطان کا جھوٹ ہوتا ہے یا اس خبطی کا مکر و فریب۔ مسلمان ہرگز اس طرح کے چکر میں نہ پھنسیں نہ ایسے خبطی لوگوں سے کچھ پوچھیں نہ ان کی باتوں پر اعتماد کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)- ممنوع ہے اور بابا غیر مسلم ہو تو حرام۔ علمائے دین سے پردے میں رہ کر تعویذ لے سکتی ہے یا پانی پر دم کرا سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳)- وہ عورت جھوٹی ہے اس کے گھر کے لوگ اسے کنٹرول کریں اور اپنے یہاں رکھیں، پھر کسی مسلمان سے شادی کر کے اس کے ساتھ رخصت کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)- ہرگز نہیں عورتوں کے مکر کو سمجھنے، پھر اس سے بچنے بچانے کی فکر کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیبل ٹی وی اور کیبل انٹرنیٹ کا بزنس کیسا ہے؟

میں کیبل ٹی وی چینل اور کیبل انٹرنیٹ کا بزنس کرنا چاہتا ہوں، کیبل ٹی وی میں تار سے ٹی وی کو کنکشن دیا جاتا ہے، لوگ ٹی وی پر دینی چینل، نیوز چینل، بزنس چینل سیریل اور فلم دیکھتے ہیں، کنکشن لینے والا ہر مہینے چارج دیتا ہے، ملنے والا چارج ہی ہماری کمائی ہوتی ہے، کیا میں یہ بزنس کر سکتا ہوں یا نہیں؟

کیبل انٹرنیٹ بھی ایسا ہی بزنس ہے جس سے کسٹمر کو انٹرنیٹ کنکشن دیا جاتا ہے، انٹرنیٹ کے ذریعہ لوگ کاروبار کے ایڈورٹائز دیتے ہیں، ای میل بھیجتے ہیں، پروڈکٹ خرید فروخت کا کام ہوتا ہے، اس پر لوگ فلم بھی دیکھتے ہیں۔ ان دونوں بزنس میں ہم صرف سروس دیتے ہیں، ان کا استعمال لوگوں کی صوابدید پر ہوتا ہے، کیا میں یہ بزنس کر سکتا ہوں؟

الجواب

کیبل ٹی وی چینل اور کیبل انٹرنیٹ سے کنکشن کا کاروبار عام حالات میں ناجائز و گناہ ہے، کیوں کہ ٹی وی چینل اور انٹرنیٹ کے جائز و ناجائز ہر طرح کے پروگرام دیکھنے، سننے کا ذریعہ یہ کیبل ہے۔ یہ کیبل کاٹ دیا جائے تو پروگرام کا سلسلہ ہی کٹ جائے گا تو اس کے ساتھ جیسے جواز و اطاعت کے پروگرام قائم ہیں ویسے ہی حرمت و معصیت کے پروگرام بھی قائم ہیں، لہٰذا صرف جائز پروگرام کے لیے کیبل سے کنکشن دینا جائز ہے اور ناجائز پروگرام کے لیے کنکشن دینا ناجائز۔ چوں کہ ٹی وی چینل اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والے ہر طرح کا جائز و ناجائز پروگرام دیکھ سکتے ہیں، بلکہ تجربہ یہ ہے کہ دیکھتے و سنتے بھی ہیں، اس لیے اس کاروبار کی اجازت نہیں۔ ارشادِ باری ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ." واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

سید محمد امان قادری

نیوزی لینڈ کے شہر کرائسٹ چرچ میں ۱۵؍ مارچ کی دوپہر پوری دنیا اور خاص طور سے مسلمانوں کے لیے دل دہلا دینے والی تھی۔ نیوزی لینڈ کی جدید تاریخ میں کھلے عام قتل عام کا ایسا بھیانک واقعہ کبھی پیش نہ آیا تھا۔

ایک سفید فام دہشت گرد نے عین نماز جمعہ کے وقت شہر کرائسٹ چرچ کی دو مساجد ’’النور‘‘ اور ’’لن ووڈ اسلامک سینٹر‘‘ میں گھس کر تابڑ توڑ گولیاں چلائیں اور ان مساجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے آئے امن پسند مسلمانوں کو نشانہ بنایا، جس کے نتیجے میں ۵۱؍ لوگ شہید ہو گئے اور تقریبا اتنے ہی زخمی ہوئے، جس میں نوجوان، بوڑھے، عورتیں اور بچے سب شامل تھے۔ نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم جیسنڈا ارڈرن نے اسے ایک سوچا سمجھا دہشت گردانہ حملہ قرار دیا۔ اس حملے کا بظاہر مجرم جو دنیا کے سامنے آیا وہ ایک ۲۸؍ سالہ آسٹریلیائی جوان تھا، جس کے سر میں نفرت اور قتل وخون کا سودا سمایا ہوا تھا۔ وہ اتنا وحشی اور بے غیرت تھا کہ اس نے اپنا یہ جرم، ظلم اور ننگا ناچ پوری دنیا کو لائیو سوشل میڈیا پر دکھایا۔ اس نے اپنے ہیلمیٹ میں کیمرہ لگا کر انٹرنیٹ سے اس کا کنکشن جوڑا ہوا تھا تاکہ اس کی گندی ذہنیت، مجرمانہ اور ظالمانہ سوچ کے پیرو کار پوری دنیا میں اس کے اس تماشے کو دیکھیں اور اسے اپنا ہیرو تسلیم کریں اور دنیا میں اس کے ہم نواؤں کو مزید ایسا دہشت گردانہ حملہ کرنے کی ترغیب ملے۔ ساتھ ہی ساتھ دنیا کے امن پسند لوگوں اور خاص طور سے مسلمانوں بالخصوص یورپ کے مختلف ممالک میں بسنے والی مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی تعداد کے حوصلے پست کر سکے اور انہیں غیر محفوظ اور انچاہا مہمان ہونا محسوس کرا سکے۔ لیکن وہ وحشی شاید یہ نہیں جانتا تھا کہ

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اس دہشت گرد کا تعلق ’’آلٹ رائٹ‘‘ نامی تشدد پسند سفید فام گروپ سے ہے جس کی بنیاد امریکہ میں پڑی۔ یہ موومینٹ زیادہ تر انٹرنیٹ کے ذریعہ کام کرتا ہے۔ یہ ایک نسل پرست سفید فام موومینٹ ہے، جس کی بنیادی سوچ یہ ہے کہ سفید چمڑی والے لوگ پوری دنیا میں سب سے بہتر ہیں، لہٰذا ان کو پوری دنیا میں حکومت واقتدار حاصل ہونا چاہیے۔ ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ سفید لوگوں کو دوسرے لوگوں سے الگ رہنا چاہیے، چاہے وہ دوسری قوموں اور نسلوں کو ہٹا کر یا برباد کر کے ہو یا پھر سفید فام لوگوں کی نئی بستیاں بسا کے۔

اس گروپ میں مختلف طرح کے لوگ شامل ہیں جن کی بنیادی فکر ایک ہی محور کے ارد گرد گھومتی ہے وہ ہے ’’سفید نسل کی برتری‘‘۔

ان میں ایک گروپ نہایت ہی قابل ذی علم نسل پرستوں کا ہے، جو اس موومینٹ کے قوانین اور منصوبے تیار کرتا ہے۔ ان کی منشاء نوجوان سفید لوگوں کو متاثر کر کے اپنے مقصد کی طرف گامزن کرنا ہوتا ہے، جس کے لیے وہ سفید نسل کی علمی اور سماجی برتری کا پروپیگنڈہ بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہت سی انٹرنیٹ میگزین، بلاگس اور ویب سائٹس چلاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ کتب خانے چلاتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے کئی Think Tank بھی ہیں۔

دوسرے اس گروپ میں وہ نوجوان ہوتے ہیں جو نسل پرست ہونے کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کام ’’نسل پرستی‘‘ کے بجائے تہذیب اور مغربی ثقافت جیسے خوبصورت الفاظ کا استعمال کر کے انجام دیتے ہیں۔

یہ انٹرنیٹ پر ایک بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ان کا مقصد نارمل سفید لوگوں کو اپنی طرف کھینچنا ہے۔ جس کے لیے ’’نسلی پریشانیاں‘‘، ’’سفید شناخت‘‘ اور ’’نسلی خدشات‘‘ کا سہارا لیتے ہیں۔

حالیہ امریکی اسمبلی انتخابات میں انہوں نے متنازع ڈونالڈ ٹرمپ کا کھل کر سپورٹ کیا تھا، جس کی وجہ ڈونالڈ ٹرمپ کے امریکہ میں مسلمانوں سے لے کر امیگریشن جیسے عنوانات پر اختلافی بیانات تھے۔

اسلاموفوبیا: اس حملے کی اہم وجہ دنیا میں پھیلایا جا رہا اسلاموفوبیا ہے جسے آئے دن مختلف ملکوں اور تنظیموں سے جڑے ہوئے لیڈران اپنے مقاصد کو پورا کرنے اور اپنی اسلام دشمنی کی فکر کو عام کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں۔ مسلمان لیڈر اور وزیر اعظم

نے اسلاموفوبیا اور نسل پرستی کی جم کر مذمت کی۔ ایکٹیویسٹ، ماہرین اور مسلم علما و دانشوران نے کہا کہ قوم مسلم کو مستقل طور پر میڈیا میں غلط طریقے سے پیش کیا جاتا ہے، اور مذہب اسلام اور اس کے رسومات سے لاعلمی بھی اسلاموفوبیا کی اہم وجوہات ہیں۔

سوشل میڈیا: اسلاموفوبیان کے پیچھے دنیا کے غلام ذہنیت اور بکے ہوئے افراد اور خود گمراہ میڈیا کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ وہ پوری دنیا خاص طور سے امریکہ اور یوروپ میں اسلام مخالف لٹریچر، تقاریر اور دیگر اشیاء کو عام کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ سوشل میڈیا ہی کی دین ہے کہ اسلام مخالف ذہنیت آج پورے عالم میں عام ہو چکی ہے اور اس دہشت گرد جیسے ہزاروں نوجوان روز اس فتنے میں گرفتار ہو رہے ہیں۔

اسی لیے نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم اور دیگر ممالک کے سربراہوں نے سوشل میڈیا پر قدغن کسنے کی مہم تیز کر دی ہے۔ دنیا کی پانچ بڑی سوشل میڈیا کمپنیوں نے میٹنگ کر کے انہیں یقین دہانی کرائی ہے کہ جلد ہی وہ ایسے اقدامات کریں گے جس سے نفرت بھرے لیکچرز اور تقاریر اور دیگر مواد کو عام ہونے سے روکا جا سکے۔ غور طلب ہے کہ اس دہشت گرد نے ایک پورا ۷۴/ صفحات کا کتابچہ انٹرنیٹ پہ حملے سے پہلے ڈالا تھا جو کہ نفرت اور اسلام مخالف ذہنیت سے بھرا ہوا تھا، تاکہ اپنی پلاننگ اور سوچ کو عام کر سکے۔ افسوس کہ سکیورٹی ایجنسیاں اس پہ بروقت کچھ ردعمل نہ کر پائیں۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے: اس دہشت گردانہ حملہ کی یوں تو پوری دنیا میں شدید مذمت کی گئی، لیکن جس طرح سے نیوزی لینڈ کے لوگوں اور وہاں کی وزیر اعظم نے اس حملے کے بعد مسلم قوم کا ساتھ دیا اور ان کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہوئے وہ اس دنیا کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

حملے کے بعد ہی ہزاروں کی تعداد میں نیوزی لینڈ کی عوام نے اس حملے کی شدید مذت کی اور اپنے مسلم پڑوسیوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے جگہ جگہ تعزیتی پروگرام منعقد کیا، نسل پرستی اور اسلاموفوبیا کے خلاف ریلیاں نکالیں، جس میں نیوزی لینڈ کے سفید فام لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان پروگراموں میں تقاریر ہوئیں، دعائیں کی گئیں اور خاموش رہ کر شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

حملے میں چار دن بعد ۱۹/ مارچ کو نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم محترمہ جیسینڈا ارڈن نے پارلیمینٹ میں خطاب کرتے ہوئے اس حملے کی شدید مذمت کی۔ انہوں نے اپنے خطاب کا آغاز مسلمانوں کی تہنیت "السلام علیکم" سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ۲۸ سالہ انسان ایک دہشت گرد، مجرم اور تشدد پسند ہے، میں اس کا نام لینا گوارا نہیں کرتی، اسے بے نام ہی رہنے دینا چاہیے، ان لوگوں کے نام لیں جنھیں ہم نے کھو دیا نہ کہ اس کا جو خود انہیں کھونے کا سبب بنا۔ انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے وہ شخص بدنامی کا طلب گار ہو، لیکن اسے نیوزی لینڈ کچھ نہیں دے گا، یہاں تک کہ اس کا نام بھی نہیں۔ انہوں نے اپنے خطاب کے دوران بہادر شخص عبدالعزیز کا ذکر کیا جو کہ افغانی نزاد ہیں، جنھوں نے اس مسلح دہشت گرد کا مقابلہ کیا اور جو پہلی چیز ان کے ہاتھ میں آئی اسے دے ماری، جس کی وجہ سے دہشت گرد وہاں سے بھاگ گیا۔ اس طرح انہوں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر دوسروں کی جان بچالی۔

حملے کے وقت عبدالعزیز وہاں موجود تھے، ان کے ہاتھ میں ایک کریڈٹ کارڈ مشین تھی، اسے پھینک کر حملہ آور کو مارا، وہ ڈر کر اپنی گاڑی کی طرف بھاگا، اور گولیوں سے بھری ہوئی دوسری بندوق نکالنے کی کوشش کرنے لگا، اتنے میں عبدالعزیز نے لپک کر اس کی خالی بندوق جو زمین پر پڑی ہوئی تھی اسے اُٹھالی اور گاڑی کے شیشے پر زور سے مارا، جس سے گھبرا کر حملہ آور فرار ہو گیا۔

اگلے جمعہ کو مسجد النور کے سامنے ہیگلے پارک میں نماز جمعہ کا اہتمام کیا گیا جس میں وزیر اعظم محترمہ جیسینڈا ارڈن سمیت بیس ہزار افراد جمع ہوئے۔ اس موقع پر آرڈن اسکارف پہنے ہوئے تھیں اور انہوں نے حدیث رسول ﷺ سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ نماز جمعہ سے پہلے نیوزی لینڈ کے سرکاری چینلوں اور ریڈیو اسٹیشنوں سے آذان نشر کی گئی جسے نیوزی لینڈ سمیت پوری دنیا نے سماعت کیا۔ گلینڈ جوئے جو کہ اسکارف پہن کر اس محفل میں شامل تھیں انہوں نے اپنے جیسی دیگر عورتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا کہ اب نیوزی لینڈ کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کو بہتر طریقے سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

النور مسجد کے امام جناب جمال فودا جو کہ دہشت گرانہ حملے میں ہلاک ہونے سے بال بال بچے تھے، انہوں نے نماز جمعہ کے خطاب میں کہا کہ اسلاموفوبیا قتل اور بربادی کی بڑی وجہ ہے۔ مساجد میں یہ حملہ راتوں رات کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ یہ کچھ تنگ نظر سیاسی لیڈران میڈیا ایجنسیوں اور کچھ منفی ذہنیت کے حامل افراد کی اسلام مخالف محاذ آرائیوں اور تقریروں کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس حملے نے یہ ثابت کر دیا کہ دہشت گردی کا نہ کوئی رنگ ہوتا ہے، نہ نسل ہوتی ہے

اور نہ ہی کوئی مذہب ہوتا ہے۔ انہوں نے نیوزی لینڈ کی عوام، وہاں کی وزیر اعظم اور پوری دنیا کے امن پسند لوگوں کا اس غم کی گھڑی میں نیوزی لینڈ کے مسلمانوں کے ساتھ کھڑے رہنے کے لیے شکریہ ادا کیا۔

۲۴/مارچ کی شام کو کرائسٹ چرچ شہر میں ایک عظیم تاریخی، تعزیتی مجلس کا انعقاد ہوا جس میں شرکا کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی۔ ان شرکاء میں بڑے بڑے کالجز کی استانیاں، میڈیا رپورٹر یہاں تک کہ پولس وردی میں ملبوس خواتین بھی اسکارف سجائے ملک کی مسلم عوام کے ساتھ یکجہتی کا ثبوت دے رہی تھیں۔ خاص بات یہ ہے کہ نیوزی لینڈ کی صرف ا/ فیصد آبادی مسلمان ہے، باقی ان ریلیوں کو نکالنے والے اور ان کے شرکا سب سفید فام گوری چمڑی والے مختلف مذاہب کے ماننے والے امن پسند لوگ تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بورڈ تھے جن میں محبت بھرے پیغامات تھے جیسے ”خوش آمدید۔ آئیے ان کے لیے دعا کریں جو عبادت کر رہے تھے۔ اسلاموفوبیا کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ محبت کی جیت ہوگی دہشت گردی ہار جائے گی۔ ہم مہاجرین کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ مہاجرین کی زندگیاں اہمیت کی حامل ہیں۔ وہ ہم میں سے ہیں اور ہم ساتھ ہیں۔ نیوزی لینڈ ایک ساتھ کھڑا ہے۔ ہم اپنے مسلم پڑوسیوں کے ساتھ ہیں۔ ہمارے ملک میں دہشت گردی کی کوئی جگہ نہیں۔“

مساجد کے باہر نیوزی لینڈ کے لوگ نمازوں میں آکر پہرے دینے لگے اور مسلمانوں کے گھر جا جا کر ان سے ملنے لگے، انہیں گلے لگانے لگے اور ان کے امن پسند مذہب کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

ایک نیوز چینل کی وہ کلپ بہت مشہور ہوئی جس میں ایک مسلم خاتون، جن کے شوہر اور بیٹے کی چند دن پہلے ہی شہادت ہوئی تھی ان کے صبر اور اللہ تعالیٰ پہ یقین کو دیکھ کر خود ٹی وی رپورٹر رو پڑی اور اسٹوڈیو میں بیٹھے ماہرین کی آنکھیں چھلکے بنا نہ رہ سکیں۔ لوگ تعجب میں تھے کہ یہ مسلمان کس طرح اپنے بڑے بڑے غم جھیل کر بھی صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اپنے رب کے تئیں ان کا اعتماد کتنا پختہ ہے۔

فرید احمد جنہوں نے اس حملے میں اپنی اہلیہ کو کھو دیا، انہوں نے گھر گھر جا کر اپنے پڑوسیوں کے تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے بتایا کہ جب میرے پڑوسیوں کو میری اہلیہ کی شہادت کی خبر ملی تو وہ روتے اور دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں ان کے گھر جا کر ان کا شکریہ اس لیے ادا کر رہا ہوں تاکہ میں انہیں بتا سکوں کہ جس طرح وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اسی طرح میں بھی انہیں چاہتا ہوں۔

مساجد کے باہر ہزاروں خوبصورت گلدستے اور کارڈس سجے ہوئے تھے جو وہاں کے لوگ مہلوکین کی یاد میں لائے گئے تھے۔

وہ دہشت گرد اور اس کے ہم فکر افراد نیوزی لینڈ میں اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے۔ انہوں نے ۵۱/لوگوں کو عین نماز میں شہید تو کر دیا، لیکن اپنی فکر کو پھیلانے، مسلمانوں میں خوف پیدا کرنے، نیوزی لینڈ کے سفید فام لوگوں میں نفرت ڈالنے اور اسلام سے دشمنی نبھانے کا ان کا منصوبہ بری طرح زمین پہ آگرا۔

اس حادثے کا اثر یہ ہوا کہ ہزاروں لوگ اسلام کو جاننے کی کوشش کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کے رسول ﷺ کے بارے میں، اذان کیا ہے؟ نماز کیا ہے؟ مسلمان کیسے ہوتے ہیں؟ تعلیمات اسلام کیا ہیں؟ مسجدیں کیا ہوتی ہیں؟ ان سب سوالات کے جوابات تلاش کرنے اور اسلامی تعلیمات کو سنجیدگی سے سمجھنے کی کوششیں کرنے لگے، جس کا اہم فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں کے دلوں سے اسلام کے تعلق سے پیدا ہونے والی بدگمانیاں ختم ہوئیں اور بہت سے لوگ اسلام سے قریب آنے لگے۔

حملے کے بعد سے مستقل خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ نیوزی لینڈ کے لوگ بڑی تعداد میں اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ یوروپ میں مذہب ایک نہایت ہی نجی مسئلہ ہے، اس لیے اسلام قبول کرنے والوں کی صحیح تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ البتہ جن مشہور لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی خبریں موصول ہوئیں ہیں، ان میں نیوزی لینڈ کے مشہور رگبی کھلاڑی اوفاطونافاسی (Ofatuunafasi) اور دوسرے مشہور رگبی کھلاڑی سونی ویلیمس جو کہ پہلے مسلمان ہو چکے ہیں، ان کی والدہ نے اسلام قبول کیا۔ ایک خاتون میگان لولیڈی کے بارے میں سامنے آیا کہ انہوں نے ۳۰/لوگوں کے ساتھ کرائسٹ چرچ کی مسجد میں جا کر اسلام قبول کیا۔ یہ چوبیس سالہ خاتون ایک کیفے میں کام کرتی ہیں جو کہ بچپن میں اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ سے یہاں منتقل ہوئی تھیں۔ اب وہ پورا حجاب کرتی ہیں اور اپنا عربی نام استعمال کرتی ہیں اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ پنج وقتہ نماز ادا کرتی ہیں۔

”النور“ اور ”لن ووڈ“ کے مسلمانوں کی شہادت نیوزی لینڈ اور یوروپ کے لاکھوں لوگوں کو دین کی دعوت دے گئی اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کا ہمدرد بنا گئی۔ جس کے مثبت نتائج جلد ہی برآمد ہوں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) ☆☆☆

قرآن حکیم اور حقوق العباد

مولانا محمد عرفان قادری

قرآن پاک اللہ رب العزت کا کلام ہے جسے اس نے اپنے محبوب آخری پیغمبر جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ پر نازل فرمایا اور اس کی حفاظت اپنے ذمہ کرم پر رکھا۔ قرآن مجید کو نازل ہوئے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال کا عرصہ گزر گیا لیکن اس میں ذرہ برابر بھی کمی و بیشی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہے۔ قرآن کا حقیقی محافظ تو خداوند قدوس ہے لیکن اس نے اپنے پاک کلام کی حفاظت و صیانت کے لیے ایک دو نہیں بلکہ بے شمار لوگوں کا الگ الگ طبقہ بنا دیا ہے۔ حفاظ کرام جن کی تعداد لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ہے وہ قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے الفاظ قرآن کی شاندار حفاظت کر رہے ہیں۔ قراے کرام قرآن پاک کی تمام تر قرأت و روایات، اس کے پڑھنے کے انداز و طریقے اور رسم الخط کا تحفظ کر رہے ہیں۔ مفسرین کرام کی مقدس جماعت قرآن عظیم کے معانی و مطالب کی حفاظت کر رہی ہے اور علماے کرام و صوفیاے عظام قرآن کے احکامات و پیغامات کو عام و تام کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ قرآن کی حفاظت و صیانت کا یہ زریں اور پاکیزہ سلسلہ وقت نزول سے لے کر آج تک جاری ہے اور جب تک یہ دنیا قائم ہے یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ جس طرح قرآن عظیم بے مثل اور لاریب کتاب ہے اسی طرح اس کی حفاظت کا انداز و طریقہ بھی بے مثل و بے مثال ہے۔ قرآن کو پڑھنا، یاد کرنا اور اس کو سمجھنا بے حد آسان ہے۔ ارشاد خداوندی ہے "اور ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لیے آسان کر دیا تو کون ہے یاد کرنے والا"۔ (سورہ قمر آیت :۱۷)

سابقہ آسمانی کتابوں کے حافظ صرف وہ انبیاے کرام ہوتے تھے جن پر وہ کتابیں اتاری جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ رحمت ﷺ کے صدقے میں اس امت کو یہ سعادت بخشی کہ کمسن اور چھوٹے بچے بھی قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ یہ قرآن عظیم کی وہ خصوصیات ہیں جنہیں اپنے بیگانے سب تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن جب بات آتی ہے قرآنی تعلیمات و احکامات پر عمل کرنے کی تو مایوسی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ آج کل کے مسلمان قرآن کریم کی تلاوت یا تو بس ثواب کے لیے کرتے ہیں یا پھر گھروں میں خوبصورت جزدان میں رکھ کر الماریوں کی زینت بنا دیتے ہیں۔ جب کہ قرآن دستور حیات ہے اور اس کے نزول کا اصل اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان قرآن کو پڑھے، سمجھے اور اس کے پیغامات پر عمل کرے۔ لیکن دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر اس اصل مقصد کو مسلمان فراموش کر بیٹھے ہیں۔

قرآن دستور بندگی بھی ہے اور دستور زندگی بھی۔ قرآن حکیم میں جہاں حقوق اللہ سے متعلق واضح احکامات و ہدایات موجود ہیں وہیں حقوق العباد سے متعلق بھی انتہائی دلکش قوانین موجود ہیں جن کو پڑھ کر اور اپنا کر مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں۔ ذیل کے سطور میں حقوق العباد کے متعلق قرآنی آیات سے کچھ ہدایات پیش ہیں:

والدین پر اولاد کے حقوق: قرآن عظیم نے والدین پر بچوں کی پرورش و پرداخت کو لازم و ضروری قرار دیا ہے۔ بچہ کی پرورش اور اس کو دودھ پلوانا باپ کے ذمہ واجب ہے۔ اس کے لیے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے اور ماں پر اپنے بچے کو دودھ پلانا اس صورت میں واجب ہے جب کہ باپ کو اجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔ باپ کو حسب حیثیت بچہ اور اپنی عورت کے خوراک، پوشاک اور مکان کا اہتمام کرنا بھی لازم ہے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۳ میں ہے: "اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس اس کے لیے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہے اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا اور پہننا ہے حسب دستور"۔

اولاد پر والدین کے حقوق: قرآن کریم میں متعدّد مقامات پر والدین کی تعظیم و تکریم اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

استاذ: مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۳؍۲۴ میں اللہ جل مجدہ الکریم ارشاد فرماتا ہے: ”اور تمھارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اگر تمھارے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے عاجزی اور رحم دلی کا بازو جھکائے رکھنا اور دعا کرنا اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی “۔

ماں باپ اپنی اولاد کی پرورش کے لیے بے پناہ مشقتیں جھیلتے ہیں ۔ اپنی اولاد کے لیے کھانے ، پینے ، لباس ، دواؤں اور دیگر ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے اپنی بساط سے بڑھ کر جد وجہد کرتے ہیں، اولاد کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں ۔ ماں ایام حمل میں اور پیدائش کے وقت ناقابل بیان تکلیفیں اٹھاتی ہے پھر دو سال تک اپنی اولاد کو دودھ پلاتی ہے خود گیلے بستر پر لیٹتی ہے لیکن اپنے اولاد کو سوکھے بستر پر لٹاتی ہے اگر گھر میں کھانا کم ہو تو خود بھوکی رہتی ہے اور اپنے بچوں کو کھلا دیتی ہے ۔ ماں باپ اپنی اولاد کی جو بھی خدمت کرتے ہیں وہ سب بالکل بے غرض اور بے لوث ہوتی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد اس سے متّصل ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا۔

زوجین کے حقوق: قرآن عظیم میں ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے زوجین کے باہمی حقوق کو اجاگر کیا گیا ہے ۔ قرآن کے مطابق جس طرح عورتوں پر شوہروں کے حقوق کی ادا واجب ہے اسی طرح شوہروں پر عورتوں کے حقوق کی رعایت بھی لازم ہے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۸ میں ہے: ”اور عورتوں کا حق مردوں پر ایسا ہی ہے جیسا عورتوں پر ہے شرع کے موافق ۔“

مرد پر عورت کے حقوق کے حوالے سے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: ” اپنی بیویوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کے ساتھ زندگی گزارو ہو سکتا ہے تم کسی بات کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس میں خیر کثیر رکھی ہو۔“

(سورہ نساء آیت :۱۹)

شوہر پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے ۔ کھانا جیسا خود کھائے اسے بھی کھلائے ، کپڑا جیسا خود پہنے اسے بھی پہنائے، حسب حیثیت رہنے کے لیے مکان دے اور مجامعت

عورت پر مرد کے حقوق کے تعلق سے فرمان خداوندی ہے:

”مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لیے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کئے تو نیک بخت عورتیں ادب والیاں ہیں خاوند کے پیچھے (اس کے مال و عزت کی) حفاظت رکھتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا“۔(سورہ نساء، آیت :۳۴)

اس آیت میں مرد کو عورت کا حاکم قرار دیا گیا ہے ساتھ ہی نیک عورتوں کی خوبیاں بھی بیان کی گئی ہیں ۔ بیوی پر فرض ہے کہ وہ اپنے خاوند کی فرماں برداری اور اطاعت کرے اور خاوند کی غیر موجودگی میں اس کے مال و دولت اور عزت و آبرو کے ساتھ اپنی پاک دامنی کی بھی حفاظت کرے ۔

عزیز واقارب اور رشتہ داروں کے حقوق:

اللہ تعالیٰ نے قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو اپنی رضامندی کا ذریعہ بتایا اور رشتہ ناطہ توڑنے کو اپنی ناراضگی اور امت مسلمہ کی ناکامی کا سبب بتایا۔ سورہ نسا آیت نمبر ا میں ہے ” اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو“

غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور پڑوسیوں کے حقوق: رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین ، رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں اور پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے۔

سورہ نساء آیت ۳۶ میں ہے: ”اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام سے بے شک اللہ کو خوش (پسند) نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا ۔ “

قرآن کریم میں خاص یتیموں کے ساتھ بھلائی کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے ۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۰ میں ہے: ”اور تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں تم فرماؤ ان کا بھلا کرنا بہتر ہے “۔

حقوق العباد سے متعلق قرآنی احکامات کی یہ صرف چند جھلکیاں ہیں ۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن حقوق انسانی کا علمبر دار اور ایک جامع منشور ہے ۔ قرآن نے انسانی زندگی کے کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے کہ اس کی جانب رہنمائی نہ کی گئی ہو۔ قرآن مقدس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان قرآن سے تعلق مضبوط کریں اور اپنے معاشرہ کو صحیح رخ پر لے جائیں۔

آئی عید قرباں لے کر پھر پیغامِ قربانی

عرفانہ عفی، چکوال

قربانی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود انسانی تاریخ۔ قربانی کا بحیثیت مجموعی عبادت کے مشروع ہونا اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ثابت ہے لیکن اس کی ایک خاص شان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعہ سے شروع ہوتی ہے اور اسی یادگار کی حیثیت سے شریعت محمدیہ ﷺ میں قربانی کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک رات خواب میں اپنے فرزند کو اللہ کی راہ میں ذبح ہوتے دیکھا۔ انبیا کے خواب چوں کہ سچے ہوتے ہیں اس لیے آپ علیہ السلام نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ میری عزیز شے کی قربانی چاہتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو تمام واقعہ سنایا۔ بیٹے نے جواب دیا ابوجان آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے بجالائیے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بیٹے کو جنگل میں لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زمین پر لٹاکر چھری چلائی لیکن چھری نے اللہ کے حکم کے مطابق حضرت اسماعیل کا ایک بال بیکا نہ کیا۔

اس پورے واقعہ کو پڑھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس ساری صورتحال میں اللہ عزوجل اپنے نبی اور اولاد نبی علیہما السلام کو آزمائش کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور نبی بھی اس آزمائش پر پورا اترے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خلیل اور مقبول رسول کے ان اعمال و افعال کو پسند فرمایا اور قیامت تک ان کی عظیم قربانی کو یادگار بنانے کے لیے اپنی محبوب عبادت قرار دے کر اپنے بندوں پر لازم کر دیا اور فرمایا:

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا. (الحج، ۲۲ : ۶۷)

"ہم نے ہر ایک امت کے لیے (احکام شریعت یا عبادت و قربانی کی) ایک راہ مقرر کر دی ہے"۔

زندگی کا راز قربانی میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ. (البقرہ ۲ : ۱۷۹)

"اے اہل عقل قصاص میں ہی تمھارے لیے زندگی ہے"۔

یعنی اے عقل والو! اپنی جان کی بازی لگا دینے اور اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دینے میں تمھاری زندگی کا راز مضمر ہے۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اللہ کی راہ میں مرنا سیکھو۔ جو قوم اللہ کی راہ میں مرنا نہیں سیکھتی اس کو دنیا میں باعزت طور پر چلنے کا کوئی حق نہیں۔

قربانی کے فضائل:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یوم النحر (دسویں ذوالحجہ) میں ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں۔ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگ، بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا، قربانی کا خون، زمین پر گرنے سے پہلے خدا کے نزدیک شرف قبولیت حاصل کرتا ہے لہذا اسے خوش دلی سے کرے"۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتا ہوں۔ (ترمذی ۳ : ۱۵۹، رقم: ۱۴۹۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال مقیم رہے اس عرصہ میں آپ صلی ﷺ نے ہر سال قربانی کی۔ (ترمذی ۳، ۱۷۰، رقم، ۱۵۰۷)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ قربانی کیا شے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: اس قربانی سے ہمیں کیا ثواب ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جانور کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: اگر مینڈھا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: تب بھی ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی"۔ (ابن ماجہ، ۳ : ۵۳۳، رقم: ۳۱۲۷)

لیکن اسلامی تعلیمات پر رائے زنی کرتے ہوئے شیطانیت علم بردار تنظیمیں اس قربانی کو "دقیانوسیت" پیسے کا ضیاع قرار دے کر مسلمانوں سے اس روحانی محبت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ روشن خیال اور نام نہاد ترقی پسند یہ فیصلے کر رہے ہیں کہ آیا اس عظیم قربانی کا ملکی اقتصادیات پر تو اثر نہیں پڑ رہا۔ قربانی کی یہی رقم قرض اتارو مہم میں

دے دی جائے وغیرہ یوں اسلام کے فلسفہ قربانی پر اجتہادات باطلہ کی ضربیں لگاکر اور قربانی کی خطیر رقم کو غیر ضروری قرار دیکر فلاحی کاموں اور فلاحی فنڈز میں جمع کرانے کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قوم کی فلاح و بہبود اس بات میں نہیں کہ قربانی کا پیسہ جمع کر کے ان کی نفسانی خواہشات کو پورا کیا جائے بلکہ قوم کی فلاح بہبود کا راز تو قربانی میں پوشیدہ ہے۔ قربانی کا مقصد آج کی اصطلاح میں گوشت کھانا یا کھلانا نہیں بلکہ قربانی اسلامی اصطلاح میں اللہ کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ رب کریم کے حکم کی تعمیل ہے۔ یہ بات ماورائے عقل تو ہو سکتی ہے خلاف عقل ہر گز نہیں۔ اب عقل، عقل میں بھی فرق ہے۔ جس عقل کی یہاں بات ہو رہی ہے وہ عقل سلیم ہے، عقل مکار، عیار نہیں۔ کیوں؟ کیوں کہ عقل سلیم کی سوچ وحی ربّانی ہوگی۔ عبادات شرعیہ کے لیے عقل کو کسوٹی نہ بنایا جائے بلکہ عقل سلیم کے لیے وحی ربّانی کو معیار یا کسوٹی بنایا جائے۔ وہ سوچ جو وحی ربّانی سے متصادم ہو ڈاکٹر اقبال نے اسے عقل عیار قرار دیا ہے اور جو سوچ غیر مشروط طور پر وحی ربانی کے آگے سراپا تسلیم و رضا بن جائے اسے وہ عشق سے تعبیر کرتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نار نمرود میں ڈالا جا رہا تھا اس پر اقبال کہتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے کہ محو تماشائے لب بام ابھی

قربانی کا مقصود:

ذوالحجہ شریف کا مہینہ ہمیں زندہ رہنے کے لیے قربانی کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ یہ قربانی بلاشبہ سنت ابراہیمی ہے لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اسلام کی سربلندی واحیاے دین وملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ بحال کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہیں، مال و دولت، اہل وعیال یہاں تک کہ اپنی جان بھی راہ حق میں لٹانے سے گریز نہ کریں۔

لیکن بدقسمتی سے ہم نے قربانی کی رسم کو تو اپنایا مگر اس کی اصل روح کو نہ سمجھ سکے۔ دراصل قربانی ۱۰ رذی الحجہ کو جانور کی گردن پر چھری چلاکر خون بہادینے کا نام ہے۔ گوشت تقسیم کرنا بعد کا حکم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لَن يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُمْ۔ (الحج ۲۲ : ۳۷)

”ہرگز نہ (تو) اللہ کو ان (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون مگر اسے تمھاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے“۔

گویا انسان ۱۰ رذی الحجہ کو جانور کی قربانی دے کر ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یاد تازہ کرتا ہے اور اس دن اللہ سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ اے اللہ! جس طرح آج حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا فدیہ ادا کر رہا ہوں اسی طرح اس خون کو گواہ بناکر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تیرے لیے، تیرے حبیب ﷺ اور تیرے دین کی سربلندی کے لیے مجھے جان بھی قربان کرنی پڑی تو کبھی بھی دریغ نہیں کروں گا۔ اگر قربانی کے اندر یہ روح کار فرمانہ ہو تو قربانی رسم کے سوا کچھ نہیں۔

قربانی کے پیچھے جو حکمت کار فرما ہے وہ اخلاص، للّٰہیت، ایثار، تقویٰ اور مجاہدانہ کردار کی تیاری کو یقینی بنانا ہے۔ قربانی محض جانور ذبح کرنا نہیں بلکہ تقویٰ کے جذبات ہیں اور مقصد رضائے الٰہی ہے۔ قربانی اللہ کے دو پیارے پیغمبروں کے مقبول عمل کی یاد کو تازہ رکھنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اس سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے اگر ہمیں اپنی اولاد، والدین، وطن، غرض ہر عزیز اور قیمتی شے بھی قربان کرنی پڑے تو دریغ نہ کیا جائے۔

آج کے دور میں قربانی محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ ہر صاحب نصاب اور صاحب حیثیت پر قربانی واجب ہے مگر ہمارے ہاں عمومی طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ عیدالاضحی پر ہزاروں روپے کے کپڑے، جوتے، بہترین طعام وانصرام تو کرتے ہیں مگر قربانی نہیں کرتے۔ گھر میں لاکھوں کا سامان، زیور، ہر چیز موجود ہونے کے باوجود بھی قربانی نہیں کی جاتی کہ حالات ٹھیک نہیں۔ اسی طرح نیا شادی شدہ جوڑا عموماً چار، پانچ سال گزر جانے کے بعد بھی قربانی کے لیے چند ہزار نکالتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

جس مرد یا عورت میں درج ذیل شرائط شرط پائی جائیں اس پر قربانی واجب ہے۔

۱۔ مسلمان ہونا۔ ۲۔ عاقل ہونا۔ ۳۔ بالغ ہونا

۴۔ مقیم ہونا، شرعی مسافت کے سفر میں نہ ہونا

۵۔ حاجت اصلیہ (یعنی ضرورت کی چیزیں مثلاً مکان، لباس، استعمال کے برتن، سواری اوزار وغیرہ) کے علاوہ ۵۲ تولے چاندی کی قیمت کی نقدی یا سامان تجارت یا کسی اور نصاب کا مالک ہونا۔

(بہار شریعت)

قربانی کے جانور کے اوصاف:

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"موٹے تازہ اور عمدہ جانور قربانی کیا کرو کیوں کہ یہ پل صراط پر تمھاری سواری کا کام دیں گے"۔ (دیلمی، فردوس الاخبار، ۱: ۱۱۹، رقم: ۲۶۷)

قربانی کا جانور ہر عیب سے پاک ہو، عیب سے مراد وہ حصہ ہے جس کے کم ہونے یا نہ ہونے کے سبب جانور کی قیمت کم ہو جائے۔ بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ جانور کے اندر کوئی نقص ہو تو قربانی نہیں ہوتی حالاں کہ بیچنے والوں کو پتہ ہوتا ہے کہ اس جانور قربانی نہیں ہو سکتی۔ مگر دین کو الگ کر کے دھوکہ و چالاکی سے جانور بیچ دیا جاتا ہے۔ عید سے چند ماہ قبل ہی قربانی کے جانوروں کی قیمتیں آسمانوں تک پہنچ جاتی ہیں اور ایک متوسط گھرانے کے لیے اس جانور کو خریدنا قدرے مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم جانور بیچنے اور خریدنے والے دونوں مسلمان ہیں۔ سمجھ سے بالا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی قیمت بہت زیادہ کیوں کر دی جاتی ہے؟ ہماری سوچ مادہ کے گرد ہی کیوں گھومتی ہے۔ عید کے اگلے دن جانور کی قیمت نارمل ہو جاتی ہے مگر ایک دن پہلے زیادہ کیوں؟ کیا ہم قربانی دینے والے کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں؟ یا قیمت زیادہ کر کے قربانی کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جاتی ہے؟ کیا ہم انجانے میں گناہ تو نہیں کر رہے؟ کاش لاغر، کمزور اور نقص شدہ جانوروں کو فروخت کرتے وقت ہمارا ضمیر ہمیں ملامت کرے اور ہم دین کی بنیادوں کو قائم رکھیں۔

قربانی کے احکام و مسائل:

شریعت اسلامی کے مطابق قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ اپنے لیے، دوسرا حصہ رشتہ داروں اور دوست احباب کے لیے۔ تیسرا حصہ غرباء و مساکین کے لیے ہے۔

جن آبادیوں میں جمعہ و عیدین کی نماز جائز ہے وہاں عید سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے نماز عید سے پہلے قربانی کر دی تو پھر اس کو دوبارہ کرنا ہوگی اور جہاں نماز جمعہ و عید نہیں پڑھی جاتی وہاں دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے بعد قربانی ہو سکتی ہے اگر اس طرح پہلے روز کسی عذر شرعی کی وجہ سے نماز عید نہ پڑھی جا سکے تو نماز عید کا وقت گزر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔ (در مختار)

قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا اس طرح جائز ہے کہ مصلیٰ یا ڈول وغیرہ بنا لیا جائے مگر فروخت کر کے پیسے اپنے لیے استعمال کرنا جائز نہیں بلکہ صدقہ کر دینا واجب ہے اور قربانی کی کھال کو صدقہ کی نیت کے بغیر بیچنا جائز نہیں۔ قربانی کی کھال چونکہ قربانی کے جانور کا حصہ ہے۔ اس لیے اسے بھی قربان کرنا یعنی جس سے بلا عذر اپنا ذاتی مفاد وابستہ نہ ہو دے دینا چاہیے۔ مگر ہمارے ہاں شریعت اسلامیہ پر عمل نہیں کیا جاتا۔ فریزر میں مہینوں کا گوشت جمع کر لیا جاتا ہے اور ہم قربانی کے نام پر اپنے آپ سے دھوکہ کر رہے ہوتے ہیں۔ جہاں تک جانور کی کھال کے متعلق موجودہ صورتحال ہے تو ہمارے ہاں عموماً کھال کو یا تو بیچ دیا جاتا ہے یا اس کھال کے عوض جانور کو ذبح کروایا جاتا ہے جو کہ غیر شرعی ہے۔ شرعی طریقہ یہ ہے کہ قربانی کی کھال کسی ٹرسٹ اور بہبود کے ادارے کو فری دے دی جائے تاکہ عوام کی فلاح پر وہ پیسہ لگایا جا سکے۔

قربانی کا مسنون طریقہ:

بہتر یہ ہے کہ قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے خود ذبح کیا جائے۔ اگر خود نہ جانتا ہو تو کسی صحیح العقیدہ مسلمان کو اپنی طرف سے ذبح کرنے کے لیے کہے اور بوقت ذبح خود موجود ہو۔ ذبح کرنے والے کے لیے تکبیر ذبح (بسم اللہ، اللہ اکبر) کہنا لازمی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک سینگوں والا مینڈھا لانے کا حکم فرمایا جس کے ہاتھ پیر اور آنکھیں سیاہ ہوں۔ سو قربانی کے لیے ایسا مینڈھا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) چھری لاؤ پھر آپ ﷺ نے مینڈھے کو پکڑا، اس کو لٹایا اور ذبح کرنے لگے، پھر فرمایا: اللہ کے نام سے، اے اللہ محمد (ﷺ)، آل محمد (ﷺ) اور امت محمد (ﷺ) کی طرف سے اسے قبول فرما پھر اس کی قربانی کی۔
(صحیح مسلم، ۳: ۱۵۵۷، رقم: ۱۹۶۷)

آخر میں فرزندانِ اسلام کے لیے یہ پیغام ہے کہ عید الاضحیٰ مذہبی تہوار ہے جہاں ہمارے ہاں تہواروں پر خوشیاں منائی جاتی ہیں وہاں پر قرآن و سنت کی رو سے ہر خوشی خصوصاً عیدین کی خوشیوں میں تمام مسلمانوں کو شامل کرنا چاہئے کیونکہ یہ خوشی تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ آئیے سوچیں کہ ہمیں عید الاضحیٰ کی خوشیوں میں دوسروں کو کیسے شامل کرنا ہے۔ اس کی بہترین و عمدہ مثال ذات کبریا ہے۔ ہماری خوشی مالی تعاون کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کے گھر میں جا کر عید کی مبارکباد دینا بھی ہو سکتی ہے۔

☆☆

حضور مجاہدِ ملت علیہ الرحمۃ کی سیرت کے چند تابندہ نقوش

مبارک حسین مصباحی

مئی ۱۹۸۲ء میں ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے ۲۵۶ صفحات پر مشتمل وقیع نمبر شائع کیا تھا، اسی نمبر کو آل انڈیا تبلیغ سیرت، دھام نگر شریف، صوبہ اڑیسہ نے جنوری ۲۰۱۹ء میں شائع کیا، دوسری اشاعت کے موقع پر درج ذیل تحریر ہم سے بھی لکھوائی، قدرے ترمیم کے ساتھ یہی تحریر ہم ماہ نامہ اشرفیہ میں پیش کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قابلِ صد احترام بزرگ، نازشِ طریقت، حبیبِ ملت حضرت علامہ سید شاہ غلام محمد حبیبی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ حبیبیہ دھام نگر شریف، دامت برکاتہم القدسیہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی وقار بخیر وعافیت ہوں گے!

مئی ۱۹۸۲ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ نے "مجاہدِ ملت نمبر" شائع کرنے کا شرف حاصل کیا تھا، ۲۵۶ صفحات کا یہ زریں نمبر حضور مجاہدِ ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری قدس سرہ العزیز کی نابغۂ روزگار شخصیت پر تھا، معلومات، مضامین اور حسنِ ترتیب کا مرقع تھا، اس لیے بے پناہ مقبول ہوا۔ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی قدس سرہ اور حضور مجاہدِ ملت نور اللہ مرقدہ کے درمیان حد درجہ رفاقت و محبت تھی، سلطان الہند حضور خواجہ غریب نواز [وصال: ۶/ رجب المرجب ۶۳۲ھ] کے دیار پاک میں دونوں بزرگ برسوں تک ہم جماعت اور شیر و شکر رہے۔ اس بابرکت طالبانِ علومِ نبویہ کی جماعت پر حضرت خواجہ ہندالولی قدس سرہ کا خوب فیض تھا، ان تلامذہ پر آپ کے اساتذہ اور خاص طور پر آپ کے ممتاز استاذ گرامی صدر الشریعہ حضور مفتی شاہ محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ کو ناز اور فخر تھا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں پر رحمت و نور کی مسلسل بارش فرمائے، آمین۔

ذکر تھا ماہ نامہ اشرفیہ کے مجاہدِ ملت نمبر کا، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنے عظیم محسن پر خاص نمبر نکال کر کوئی احسان نہیں کیا، بلکہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہیں ہوا۔ جامعہ اشرفیہ اور ماہ نامہ اشرفیہ کے مربی حضور حافظ ملت اور حضور مجاہدِ ملت کے درمیان فکر و خیال کی جو ہم آہنگی تھی اس کی تشریح اور ترجمانی سے ہمارا قلم عاجز ہے۔ ولایت و معرفت کی جن بلند منزلوں پر یہ دونوں بزرگ فائز تھے، وہاں تک ہماری فکروں کا پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ان دونوں نے اپنے خاص محسن و استاذ حضور صدر الشریعہ قدس سرہ کی وصال کے بعد بھی متعدّد بار زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی زریں خدمات اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔ تاریخ کی اس سچائی سے کون مسلمان واقف نہیں کہ تصویر کے بین الاقوامی قانون کے باوجود حضور حافظ ملت نے فوٹو کے بغیر حج و زیارت کی سعادت حاصل فرمائی، اور حضور مجاہدِ ملت نے نجدی حکومت کے باطل حکمرانوں کے سامنے حق و صداقت کا مجاہدانہ اعلان فرمایا اور جیل کی سلاخوں کے پیچھے بخوشی رہنا گوارا فرمایا۔ مگر جبر و تشدد کے سامنے سرِ اقدس خم نہیں فرمایا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور سے اس نمبر کی ترتیب و اشاعت میں سب سے بنیادی کردار نام ور فاضل اشرفیہ، معروف ادیب، نقاد اور شاعر، ماہ نامہ اشرفیہ کے سابق مدیرِ اعلیٰ پیرِ طریقت مولانا ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر الہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ کا

رہا۔ حضور مجاہدِ ملت سے ان کی بے حد عقیدت و محبت کو ہم سلام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں شعر و سخن اور روحانی عظمتوں کے ساتھ اس سے بھی کہیں زیادہ فضل و کمال کے ساتھ تادیر سلامت رکھے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ یہ سب فیضان ہے شہزادۂ حضور حافظ ملت حضور عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی، سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ دامت برکاتہم القدسیہ کا، حضرت سربراہِ اعلیٰ اپنی بلند پایہ روحانی عظمتوں کے ساتھ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی وسعت و ترقی میں شب و روز لگے ہوئے ہیں۔ حضرت اس مجاہدِ ملت نمبر کے حوالے سے بھی بے پناہ مبارک بادیوں کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایۂ کرم ہمارے سروں پر دراز فرمائے۔ اس وقت استاذ القرا حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ مبارکپوری علیہ الرحمۃ اور قاضیِ شریعت حضرت علامہ محمد شفیع اعظمی مبارک پوری علیہ الرحمۃ بھی جامعہ اشرفیہ کے لیے سرگرمِ عمل تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو بھی جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

ہمیں بے حد مسرت ہے کہ آپ بحیثیت صدرِ اعلیٰ آل انڈیا تبلیغ سیرت "مجاہدِ ملت نمبر" شائع فرما رہے ہیں۔ بڑی خوشی اس بات کی بھی ہے کہ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے مئی ۱۹۸۲ء میں "مجاہدِ ملت نمبر" جو شائع کیا تھا، قدرے اضافے کے ساتھ یہ اسی کی جدید اشاعت ہے۔ اسی کے ساتھ ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں آل انڈیا تبلیغ سیرت کے ناظمِ اعلیٰ محب مکرم حضرت مولانا عاشق القادری عزیزی مصباحی دام ظلہ العالی کی بارگاہ میں جنھوں نے اس رخ پر حد درجہ محنت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل اس اہم نمبر کو شرفِ قبول عطا فرمائے، اہلِ عقیدت اور اہلِ سنت اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر اپنی محبت کا ثبوت دیں۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

سچی بات یہ ہے کہ راقم عہدِ شعور ہی سے حضور مجاہدِ ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن رئیس اڑیسہ سے آشنا ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب لکھنے لکھانے کا سلسلہ شروع ہوا تو ہم نے بھی چاہا کہ ہم بھی کچھ لکھ کر خریداران یوسف علیہ السلام میں اپنا نام درج کرالیں۔ حضور کے تعلق سے کچھ سنا اور کچھ پڑھا بھی تھا، مگر بات آئی گئی ہوتی رہی۔ در اصل ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، مقدر میں اسی نمبر میں شمولیت کا لکھا تھا، اس لیے آرزو کی تکمیل نہیں ہو پائی۔ اس تحریر میں بھی سرکار مجاہدِ ملت نور اللہ مرقدہ کا فیض ہے اور تقاضوں کی بھرمار کرنے والے ہیں حضرت مولانا عاشق القادری عزیزی دام ظلہ العالی۔

متعدّد ملاقاتوں کے بعد ہم آپ کی بلند پایہ روحانی اور علمی شخصیت سے تو عرصۂ دراز سے متاثر ہیں۔ ہر بار جلسوں اور کانفرنسوں میں آپ کی صدارت اور سرپرستی میں ہی گفت و شنید کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان مواقع پر آپ نے جس بلند اخلاقی اور نوازشِ خسروانہ کا مظاہرہ فرمایا، ہم ان الطافِ کریمانہ کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ جس حسنِ اہتمام کے ساتھ اپنے تعلیمی اداروں اور تحریکوں کو لے کر چل رہے ہیں سن سن کر آنکھیں پر نور اور دل مسرور رہتا ہے۔ آپ کے معروف دار العلوم میں چند با کمال فرزندانِ اشرفیہ اور دیگر فضلاے اہلِ سنت زریں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین۔

ہم نے متعدّد بار حضور مجاہدِ ملت نور اللہ مرقدہ کے مبارک عرس میں حاضری کی سعادت کا ارادہ کیا مگر ہزار چاہتوں کے بعد بھی ہم شرکت کی سعادت سے محروم رہے۔ خیر اللہ تعالیٰ اب کبھی کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا اور پھر آپ کی اعلیٰ روحانی سجادہ نشینی میں بارگاہِ حضور مجاہدِ ملت نور اللہ مرقدہ میں حاضری کا شرف حاصل کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

شاید باتیں کچھ زیادہ ہو گئیں، اس سمع خراشی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

آپ کی نوازشوں کا آرزو مند
مبارک حسین مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ و مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور
یکم جنوری ۲۰۱۹ء/۲۳؍ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ

حضور مجاہدِ ملت

علامہ شاہ محمد حبیب الرحمن قادری رئیس اڑیسہ قدس سرہ العزیز اپنے عہد کے نابغۂ روزگار مہِ کامل تھے، آپ ایک دولت مند خاندان کے فردِ فرید تھے، خاص اور سب سے خاص بات یہ ہے کہ آپ خاندان رسول ﷺ اور آپ کے چچاجان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل پاک کی ایک خوب صورت نشانی تھے۔ آپ نے عصری تعلیم کے بعد دینی فضل وکمال کے حصول کے لیے حد درجہ قربانیاں دیں۔ اساتذۂ کرام کا بھرپور ادب واحترام، معاصرین سے حد درجہ یگانگت و محبت آپ کا طرۂ امتیاز تھا، جود وسخا، عبادت و ریاضت اور تقویٰ وپرہیزگاری آپ کے ممتاز کمالات کے لازمی عناصر تھے، اولیاے کرام اور مجاذیب سے فیوض وبرکات کے حصول کے لیے مچل جاتے تھے، آپ سب سے جھک کر ملتے اور بعض اوقات دست بوسی فرمانے کی کوشش فرماتے تھے۔ وہ اپنی دست بوسی اور قدم بوسی کرانا ہرگز گوارا نہیں فرماتے تھے۔

اس وقت ہمیں یاد آرہے ہیں خطیبِ مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ [م:۲۹/ اکتوبر ۱۹۹۰ء] جنھوں نے ان کے دربارِ گوہربار سے بار بار اپنا کشکول بھرا ہے اور جی بھر کر زیارت کرنے کا شرف بھی حاصل فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”لانبا قد، گندمی رنگ، بیضوی اور نورانی چہرہ، گول اور چھدری داڑھی، کشادہ اور بلند پیشانی پر سجدے کا چمکتا ہوا نشان، سر پر دوپلہ ٹوپی، ململ یا مارکین کا لانبا کرتا جس میں کئی کئی پیوند، سلیم شاہی جوتا یا گھسی پٹی چپل، نارنجی یا عنابی رنگ کی بغیر سلی لنگی، برسوں کی سلی سلائی صدری، جس کی جیب میں کاغذات کا پلندہ، گرجتی ہوئی آواز اور ہاتھ میں آل انڈیا ٹائم ٹیبل مختصر اور معمولی سا بستر، ٹوٹی ہوئی کنڈیہ میں لوٹا، مسواک، کلوخ، جاے نماز، یہ ہیں مولانا حبیب الرحمن، نہ پوچھیے اس مرد مجاہد کی داستان زندی، صوبہ اڑیسہ ضلع بالیسر قصبہ دھام نگر کے رئیس اعظم، نسباً عباسی، مسلکاً سنی حنفی، رضوی، مشرباً قادری، اشرفی۔“

خاندانی پس منظر اور ولادت باسعادت:

مجاہدِ ملت کا سلسلۂ نسب حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبد المطلب سے ملتا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سب کے آقا حضور ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ حضرت مجاہدِ ملت کے جدِّ اعلیٰ حضرت شاہ کمال بلخی قدس سرہ العزیز بلخ، افغانستان سے ہندوستان تشریف لائے، پٹاس پور ضلع مدناپور مغربی بنگال کو آپ نے اپنا مرکز رشد و ہدایت بنایا، حضرت شاہ بلخی کے پر پوتے حضرت مولانا شاہ محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں سے ہجرت فرمائی اور بھدرک ضلع بالاسور، اڑیسہ میں اقامت فرمائی اور اور بھدرک ہی میں صلاح وفلاح کے اہم کارنامے انجام دینا شروع فرمائے۔ آپ نے انتہائی اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دین و سنیت کی وسیع خدمات انجام دیں اور ایک دن واصل الی الحق ہوگئے۔ آپ کا مزار اقدس محلہ ملاشاہی میں زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

حضرت مجاہدِ ملت کے داداجان حضرت مولانا محمد مظہر الحق عرف حضرت ملا مظہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو صاحب زادگان ہوئے، حضرت ملا عبد المنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت ملا عبد الدیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت ملا عبد المنان علیہ الرحمۃ کی چار اولاد ہوئی، حضرت مجاہدِ ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی قدس سرہ العزیز (۲) حضرت قاری مجیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ (۳/۴) لڑکیاں۔

حضرت مجاہدِ ملت کے داداجان حضرت ملا مظہر الحق علیہ الرحمۃ کے ماموں منشی عبد الرؤف دھام نگر میں لاولد تھے، انھوں نے آپ کے داداجان کو گود لے لیا اور رؤف اسٹیٹ کا متولی منتخب فرمادیا۔ اس طرح حضرت مجاہدِ ملت کا خاندان دھام نگر میں آباد ہوگیا۔ حضرت مجاہدِ ملت کی ولادت باسعادت ۸ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/۲/ مارچ ۱۹۰۴ء بروز شنبہ صبح صادق کے وقت ہوئی، حضور مجاہدِ ملت نے جاگیردارانہ خاندان میں آنکھیں کھولیں، اسی لیے انھیں رئیس اڑیسہ بھی کہا اور لکھا جاتا ہے، والد گرامی حضرت ملا عبد المنان علیہ الرحمۃ ایک پورے اسٹیٹ کے مالک تھے، مگر حضرت مجاہدِ ملت پر فقر و درویشی کا غلبہ رہا۔ آپ نسبی اعتبار سے عباسی ہوئے آپ نے عباسی ہونے کا تذکرہ خود متعدّد بار فرمایا ہے۔

تعلیم وتربیت:

آپ کے والد گرامی نے اپنی اس آرزو کا متعدّد بار ذکر فرمایا، ہم اپنے اس فرزند کو اپنی آخرت کے لیے عالمِ دین بنائیں گے اور اپنے بھتیجوں عطاء الرحمٰن اور شفاء الرحمٰن کو عصری تعلیم دلائیں گے تاکہ اسٹیٹ کی دیکھ بھال کرسکیں۔ ابھی آپ کی عمر ۴/ برس ہوئی تھی کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری والدہ ماجدہ محترمہ کلیمۃ النساء مرحومہ بنت محمد طاہر الحق مرحوم اور ماموں حضرت ملا ابرار الحق علیہ الرحمہ پر عائد ہوئی۔ ماموں جان آپ کو لے کر کوٹک چلے گئے اور ایک انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا، آپ آٹھویں کلاس

تک پہنچ گئے، اس کے بعد آپ سخت علیل ہوئے، دماغی توازن بھی متاثر ہونے لگا، ایک ماہ کی سخت علالت کے بعد رمضان المبارک آ گیا، پھر آپ مسلسل علاج کے بعد صحت مند ہوئے اور گھر ہی پر دینی تعلیم کا آغاز فرما دیا۔ ابتدائی طور پر حضرت مولانا شفقت حسین مراد آبادی علیہ الرحمہ سے فارسی تعلیم حاصل کی، فارسی کی مزید تعلیم حضرت مولانا عبد المجید استاد جی مرحوم سے حاصل فرمائی، عربی کی ابتدائی تعلیم میزان سے کافیہ تک حضرت مولانا عبد العزیز اجمیری ثم کلکتوی علیہ الرحمہ سے حاصل فرمائی۔ اس کے بعد دھام نگر شریف میں آپ کی تعلیم کے لیے "مدرسہ حمیدیہ" کا قیام عمل میں آیا۔ جہاں آپ نے حضرت مولانا مفتی سید شاہ ظہور حسام حسامی مانک پوری علیہ الرحمہ سے عربی قواعد کی کتابوں کا درس لیا اور حضرت مولانا عبد الصمد علیہ الرحمہ سے شرح تہذیب، شرح وقایہ اور شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

> "جس گھرانے میں آپ نے آنکھ کھولی اس کے ہر چہار طرف امارت و ریاست برس رہی تھی، ماں باپ نے عیش و عشرت کے پالنے میں پرورش کی، خاندانی اصول کے مطابق ختم قرآن کے بعد چچا نے کٹک کے ایک انگریزی اسکول میں داخلہ کرا دیا مگر ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، اپنی افتادِ طبع سے مجبور تھے، اس لیے یہ کہہ کر گلوخلاصی کی کہ انگریزی تعلیم میرے مزاج کے مطابق نہیں، چناں چہ آپ کے چچا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیدی مخدومی حضرت مولانا سید شاہ ظہور حسام صاحب مانک پوری مفتی مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کو مدعو کیا اور کچھ دنوں تک سلسلۂ تعلیم مکان ہی پر رہا۔"

حضرت مولانا سید شاہ ظہور حسام علیہ الرحمہ کے مشورے پر مزید تعلیم کے لیے ۱۳۴۲ھ میں الہ آباد تشریف لائے اور مشہور درس گاہ مدرسہ سبحانیہ میں داخلہ لیا، یہاں اس وقت امام احمد رضا محدث بریلوی کے تلمیذ حضرت مولانا نجم الدین بہاری علیہ الرحمہ سے قطبی مع میر پڑھی، یہ موقر استاذ کچھ دنوں کے بعد مدرسہ سے مستعفی ہو گئے۔ کئی اور مدرسین آئے مگر حضرت مجاہد ملت مطمئن نہیں ہو سکے، پھر آپ ہی کی خواہش پر مدرسہ سبحانیہ کے مہتمم حضرت مولانا حافظ عبد الکافی علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا عبد الرحمٰن بادشاہ پوری علیہ الرحمہ کا تقرر فرمایا، مجاہد ملت نے اپنے اس استاذِ گرامی سے دو سال تک تعلیم حاصل فرمائی، ملا جلال مع بحر العلوم اور ترمذی شریف وغیرہ اہم کتابیں بڑی محنت سے پڑھیں۔

مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر مقدس:

آپ نے الہ آباد میں محنت و لگن سے دینی اور فنی علوم کی متعدّد کتابیں پڑھیں، ان دنوں ملک بھر میں دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کا شہرہ تھا، اس کی سب سے اہم وجہ خواجۂ خواجگاں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی نور اللہ مرقدہ کا مزار اقدس تھا، جن کے دربار میں صدیوں سے دنیا بھر کے اکابر و اساطین کاسۂ گدائی لے کر کھڑے رہتے ہیں۔ حضرت مجاہد ملت نے اجمیر مقدس میں حصول علم کا ارادہ فرمایا اور وہاں دار العلوم معینیہ عثمانیہ میں حصولِ علم اور طلبِ فضل کے لیے داخل ہو گئے۔ وہاں آپ نے پیر زادہ حضرت مولانا شاہ سید حامد حسین علیہ الرحمہ سے عربی ادب کی اہم کتب پڑھیں، معروف استاذ حضرت مولانا عبد الحی پشاوری علیہ الرحمہ سے متعدّد علمی و فنی کتابوں کا درس لیا۔ صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ محمد امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہ سے خصوصی طور پر تعلیم و تربیت حاصل فرمائی۔ حمد اللہ، میر زاہد، قاضی مبارک، امورِ عامہ اور توضیح تلویح جیسی اہم کتابوں کا درس لیا۔ حضرت صدر الشریعہ فرماتے تھے: "مجھے اپنی زندگی میں یہ ایسی جماعت ملی جو واقعی پڑھنے والی ہے۔"

آپ کے رفقاے درس میں محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ شاہ سردار احمد گورداسپوری قدس سرہ العزیز (و: یکم شعبان ۱۳۸۲ھ/ ۲۹ر دسمبر ۱۹۶۲ء)، استاذ العلما جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (و: یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ/ ۳۱ر مئی ۱۹۷۶ھ)، صدر العلما امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہ العزیز (و: ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ/ ۸ر مئی ۱۹۷۲ء)، مناظرِ اہلِ سنت حضرت علامہ رفاقت حسین قدس سرہ العزیز مفتیِ اعظم کانپور (و: ۳ر ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ/ جنوری ۱۹۸۳ء)، شمس العلما حضرت علامہ قاضی شمس الدین جعفری جونپوری قدس سرہ العزیز (و: یکم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۸۱)۔ وغیرہ یہ دس نفوسِ قدسیہ پر مشتمل جماعت تھی، ہر ایک اپنی جگہ علم و فضل کا آفتاب و ماہتاب تھا۔

آپ اجمیر مقدس کے بعد جامعہ نعیمیہ مراد آباد تشریف لے گئے، یہاں خاص طور پر صدر الافاضل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز (م: ۱۸ر ذوالحجہ ۱۳۶۷ھ/ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۸ء) کی بارگاہ میں

حاضر ہوئے، صدر الافاضل کی بلند پایہ شخصیت بڑی خوبیوں کی جامع تھی، آپ تفسیر و حدیث میں اپنا ایک امتیازی مقام رکھتے تھے، حضرت مجاہدِ ملت نے آپ سے احادیث نبوی کی اعلیٰ کتب کا درس لیا اور حضرت صدر الافاضل نے آپ کو سندِ حدیث سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ نے حضرت صدر الافاضل سے طب و حکمت کی تعلیم بھی حاصل فرمائی۔

تدریس اور طالبانِ علومِ نبویہ سے ہمدردی:

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز نے آپ کو باضابطہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں مدرس مقرر فرمایا، آپ نے جامعہ نعیمیہ میں بغیر کسی معاوضے کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ طلبہ آپ سے حد درجہ مطمئن تھے، آپ حسب ضرورت طلبہ کی خاموشی سے مدد بھی فرمایا کرتے تھے۔ کئی ایسے نادار طلبہ تھے جنھیں حضرت کافی روپے دیتے تھے، آپ ہر طرف رئیسِ اڑیسہ کے نام سے متعارف تھے۔ بڑے بڑے اہلِ علم اور اہلِ ثروت آپ کے قریب بیٹھنا فخر سمجھتے تھے، مراد آباد کے بعض حکام پر بھی حضرت کا خوب اثر تھا۔ ایک جج صاحب بھی آپ کے شیدائی ہو گئے تھے، ان کا ایک اکّہ (تانگہ) تھا جس پر ان کے علاوہ کوئی نہیں بیٹھتا تھا، وہ اکّہ عام طور پر حضرت کے لیے حاضر رہتا، جج صاحب عرض گزار رہتے، حضرت! آپ کو جہاں بھی جانا ہو خدمت کے لیے ہمارا اکّہ حاضر ہے۔"

حضرت مفتی عبد الرب جیبی کے ساتھ حسنِ سلوک:

پیر طریقت حضرت مولانا مفتی عبد الرب جیبی علیہ الرحمۃ دین نگر پوری نے اپنا جو واقعہ تحریر فرمایا ہے اس کا مفہوم یہ ہے:

"اسی دوران میں نے مدرسہ نعیمیہ میں داخلہ لے لیا اور حضرت کی خدمت میں رہنے لگا، تعلیم شروع ہو گئی، میری والدہ ہر جمعہ کو مجھ سے ملنے آتی تھیں، میرا سرپرست اس وقت میری والدہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ والد ماجد گاؤں کے کافی بڑے آدمی تھے، خاندان بھی کافی بڑا تھا، مشیتِ الٰہی میرے والد کا انتقال اس وقت ہو گیا جب میری عمر صرف چھ سال کی تھی تو خاندان والوں نے ہماری بیوہ ماں کو بہت پریشان کیا، یہاں تک کہ زمین گھر وغیرہ سب سے بھی الگ کر دیا۔

حضرت مفتی عبد الرب جیبی علیہ الرحمۃ نے جو مزید تحریر فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کی دو بہنیں تھیں، ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ آپ کی والدہ اپنے تینوں بچوں کو لے کر سخت پریشان تھیں، اسی بستی کی ایک جھونپڑی میں رہنے لگیں۔ آپ کی والدہ غربت و افلاس سے پریشان ہو کر دوسروں کے گھر جا کر چکی چلاتیں، صاحبِ خانہ کچھ آٹا اور پیسے وغیرہ دیتا اس سے ہمارا گزر ہوتا، یہ ان دنوں کی بات ہے جب آٹا گھر میں چکی سے پیسا جاتا تھا اور دھان ہاتھ ہی سے موسل سے کوٹے جاتے تھے۔

حضرت شیخ طریقت کی والدہ بے پناہ محنت و مشقت اٹھاتیں اور اپنے بچوں کی پرورش کا سامان فراہم کرتی تھیں، لیکن حضرت کی والدہ نے انھیں کام نہیں کرنے دیا بلکہ مسلسل فرماتی تھیں: **"اے میرے پیارے بیٹے! تم پڑھو اور ایک کامیاب عالم بنو"** بعض اہلِ محلہ اور بعض خاندان والے کہتے تھے، یہ عورت کتنی بیوقوف ہے، بچے کو پڑھا رہی ہے اور اس عمر میں خود کام کر رہی ہے۔ اب لڑکا کام کے لائق ہو گیا ہے کچھ نہ کرے گا تو کم از کم دوسروں کی بھینسیں ہی چرائے گا تب بھی کافی پیسہ کما لے گا۔ یہ مشورہ جب ایک خاتون نے دیا تو والدہ چراغ پا ہو گئیں اور فرمانے لگیں: **"میں تو اپنے بیٹے کو عالم بناؤں گی، آپ کے مشورے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔"**

حضرت مجاہدِ ملت رئیسِ اڑیسہ تھے، دولت مند خاندان کے چشم و چراغ تھے بقول مفتی عبد الرب جیبی "کئی ایسے لڑکے تھے جو حضرت کے خرچ سے پڑھتے تھے اور ان کو حضرت پیسے دیتے تھے، لیکن کسی کو خبر نہیں ہوتی تھی، حضرت مجھ پر بھی خاص توجہ فرماتے تھے اور اپنے بہت قریب رکھتے تھے۔"

حضرت مفتی صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں:

"ایک دن معلوم کرنے لگے کہ یہ عورت جو تم سے ملنے آتی ہے، کون ہے؟" میں نے والدہ کے بارے میں اور اپنے گھر کے بارے میں تفصیل سے بتایا، حضرت بغور سنتے رہے اور تیور بدلتے گئے۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ: **"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا اس بات کو تم کیوں چھپاتے رہے؟ خیر اب تم گھر جاؤ اور اپنی والدہ سے میرا اسلام بول دینا اور کہنا کہ کل میں ان کے گھر پر آ رہا ہوں۔"**

میں حضرت کے حکم پر گھر پہنچا اور والدہ مرحومہ سے بتایا کہ حضرت کل ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں۔ والدہ مرحومہ نے سنا اور کہنے لگیں کہ تم نے شاید گھر کا حال حضرت سے بیان کر دیا ہے، میں نے کہا: ہاں یہی بات ہے۔ خیر ساری بستی والوں کو معلوم ہو گیا کہ فلاں بیوہ کے ہاں حضرت مولانا حبیب الرحمن رئیس اڑیسہ تشریف لا رہے ہیں۔ بستی کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے سرمایہ دار یہ چاہتے تھے کہ حضرت میرے یہاں قدم رکھ دیں، گاؤں میں کوئی اس بات پر یقین کرنے کو

تیار نہیں تھا کہ اتنی بڑی شخصیت ایک بیوہ کے گھر آئے گی، جن کے پاس نہ گھر ہے نہ در، اگر آئے بھی تو یہ بیٹھیں گے کہاں! لوگوں نے سوچا شاید اس طرف سے کہیں دوسری جگہ جانا ہوگا اور اس لڑکے نے زور دیا ہوگا کہ حضور میرے گھر بھی چلیں تو حضرت نے ہاں کرلی ہوگی۔

دین نگرپور (معروف ڈینگرپور) کے ایک صاحب نے اپنے گھر میں حضرت کے لیے انتظام کرلیا کہ اگر آئیں تو میں اپنے یہاں ٹھہراؤں گا اس بیوہ کے پاس کیا بیٹھیں گے۔ بہرحال دوسرے دن حضرت اسی جج والے اکّے سے دین نگرپور جو شہر مراد آباد سے چودہ کلو میٹر سنبھل روڈ پر ہے، پہنچے۔ لوگ دیکھ کر حیرت میں رہ گئے اور یہ خبر پوری بستی میں بجلی کی طرح پھیل گئی، حضرت میرے یہاں ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ وہ صاحب بھی تشریف لائے جنھوں نے حضرت کے قیام کا انتظام کیا تھا۔ کہنے لگے: حضور! میرے یہاں چلیں سارا سامان آپ کے لئے ٹھیک ہے، وہاں آرام سے بیٹھیے گا۔ حضرت نے بہت ہی ناخوش لہجے میں جواب دیا کہ: **"میں یہاں ان کا مہمان ہوں، تمھارا نہیں، جب تک یہاں ہوں ان کے یہاں کھاؤں گا، رہوں گا۔"**

حضرت نے اس خاتون کے خاندان والوں کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ مجھ کو جانتے ہو؟ سب نے کہا: حضور آپ کو کون نہیں جانتا۔ پھر حضرت نے ہمارا معاملہ پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے جلد ہی ان کی زمین اور گھر خالی نہیں کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ جب ان لوگوں کو ڈرایا دھمکایا انھوں نے زمین میں پیداوار کا آدھا حصہ دینے کا وعدہ کیا اور مکان خالی کرنے کا۔ **پھر حضرت نے والدہ مرحومہ کو کچھ روپے دیے اور فرمایا: کہ ہر ماہ میں تم کو خرچ دیتا رہوں گا، تم گھر میں رہو کسی کی چکی چلانے کی ضرورت نہیں۔** پھر مجھ کو لے کر مراد آباد تشریف لائے۔ پھر کیا تھا، زمین کی پیداوار آدھی ملنے لگی، مکان خالی ہو گیا، جب تک فصل نہیں کٹی **حضرت والدہ مرحومہ کو ہر ماہ روپے دیتے رہے، میرا تو کل خرچ اٹھاتے ہی تھے۔**

حضرت مفتی عبدالرب جیبی لکھتے ہیں:

"پھر والدہ سے حضرت نے فرمایا کہ اس لڑکے کو مجھے دے دو۔ والدہ نے فرمایا کہ ایک ہی بیٹا ہے چاہے آپ اپنے پاس رکھیں یا میرے پاس رہنے دیں۔ بہرحال حضرت نے میری پڑھائی لکھائی، شادی وغیرہ کی ساری ذمہ داری نبھائی۔" (جاری) ☆☆☆

(ص: ۳۱ کا بقیہ)۔ جو ہمارے آئین میں بھی دی گئی ہے۔ اسی طرح لسانی وثقافتی مسائل بھی ہوسکتے ہیں کہ سبھی لوگوں کی زبان وثقافت کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر طرح سے ان کی حفاظت وترقی کا بندوبست کیا جائے۔

☆**ملک میں امن وامان قائم رکھیں:** کسی بھی ملک کی ترقی اور اس کے استحکام کا دارومدار امن وامان پر بھی منحصر ہوا کرتا ہے۔ کیوں کہ جہاں ظلم وتشدد جنگ وجدل، افراتفری اور قتل وغارت گری کا ماحول ہو۔ وہ ملک کیا ترقی کرے گا اور کس طرح اپنی ترقیاتی اسکیموں کو بروئے کار لا سکے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ملک میں امن وامان قائم کیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ملک کے تمام باشندوں کو پوری طرح اطمینان وسکون حاصل ہو۔ انہیں اپنے حکمرانوں پر اعتماد ہو۔ کہیں کسی طرح کی کوئی غلط فہمی اور ڈر وخوف نہ ہو۔ تو ملک میں امن وامان قائم ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر ملک کے لوگوں بالخصوص اقلیتوں کو اس سلسلے میں کوئی شکایت ہو۔ ان کے مذہب کو خطرہ ہو۔ مذہبی فرائض ادا کرنے میں دشواری ہو۔ ثقافتی اقدار کو خدشہ ہو۔ تہذیبی ولسانی تشخص کو خطرات ہوں۔ اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ حکومت کی جانب سے جانبداری کا مظاہرہ ہورہا ہو۔ تو ملک کے اندر امن وامان کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟ اس اعتبار سے بھی راقم الحروف محترم وزیراعظم سے باادب کہنا چاہتا ہے کہ ملک میں ایسی فضا اور ماحول بنے جو اس شعر کی سچی ترجمانی کرتا ہو

اے کاش اپنے ملک میں ایسی فضا بنے
مندر جلے تو رنج مسلمان کو بھی ہو
پامال ہونہ اور کسی مسجد کی آبرو
یہ فکر مندروں کے نگہبان کو بھی ہو

سطور بالا کے تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ اگر ہمارے وزیراعظم سنجیدگی کے ساتھ ان مشوروں پر عمل کرتے ہیں اور ملک کے تمام لوگوں کو خوش رکھنے اور ان کے اندر اپنے تئیں اعتماد واطمینان پیدا کرپاتے ہیں۔ تو وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ کامیابی حاصل کرسکیں گے۔ اور صرف ملک میں ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی ان کی شہرت وناموری کے چرچے ہوں گے۔ اور دنیا انہیں ایک کامیاب حکمران اور بہترین وزیراعظم کی حیثیت سے تسلیم کرنے پر مجبور ہوگی۔ اور یہ بات ان کے لیے باعث نشاط ہونے کے ساتھ ہی ہمارے لیے بھی فخر کے لائق ہوگی کہ ہمارے ملک کا وزیراعظم دنیا کے کامیاب ترین حکمرانوں میں سے ایک ہے۔ ☆

وزیرِ اعظم جناب نریدر مودی کو چند مفید مشورے

ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی

آج جب کہ نریندر مودی جی ملک کے وزیر اعظم بن گئے ہیں۔ میں اس موقع پر ملک کے وزیر اعظم جناب نریندر مودی جی کو ان کے وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہونے کی مبارکباد پیش کرنے کے ساتھ ہی کچھ مشورے بھی دینا چاہوں گا۔ جن کی روشنی میں ملک کو استحکام اور اس کی فضاؤں میں امن و سلامتی کے خوش گوار ماحول کا قیام ممکن ہو سکتا ہے۔ ایک ملک کے حاکم و سربراہ ہونے کی حیثیت سے جہاں ایک طرف آپ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ملک کو طاقت و استحکام عطا کریں۔ وہیں یہ بھی لازم ہے کہ ملک کے اندر اتحاد، سالمیت اور امن و امان کا ماحول بنائیں۔ ایک اچھے اور کامیاب حاکم کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ بنا اس تفریق کے کہ کس نے انہیں ووٹ دیا کس نے نہیں۔ کس نے ان کی حمایت کی اور کس نے نہیں۔ کون ان کے ساتھ رہا، اور کون مخالف۔ ملک کے سبھی لوگوں کو اپنی عوام و رعایا تسلیم کرتے ہوئے حق و انصاف کے ساتھ ان کے حقوق ادا کریں۔ اور ان کی ضروریات پر دھیان دیں۔

اس ضمن میں ملک کی سالمیت اور استحکام کے پیشِ نظر چند مشورے سطور ذیل میں قلم بند کئے جا رہے ہیں۔

☆ **سیکولرزم کو تقویت دیں:** ہمارا ملک ایک عوامی جمہوریہ ہونے کے ساتھ ہی ایک سیکولر اسٹیٹ بھی ہے۔ وطن کے لوگوں کو اس بات پر خوش ہونے کے ساتھ ہی فخر و انبساط بھی ہے کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی سیکولر جمہوریہ میں رہتے ہیں اور یہاں پر مختلف مذاہب کو ماننے والے، متعدّد رنگ و نسل کے لوگوں اور الگ الگ زبانوں کے بولنے والے نیز جدا جدا علاقوں کے رہنے والے ایک ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ یعنی ہمارا ملک اس گلدستے کی مانند ہے۔ جس میں مختلف قسم کے پھول الگ الگ رنگ و بو کے ساتھ فضاؤں میں خوشبوئیں بکھیر رہے ہیں۔ محترم وزیر اعظم صاحب آپ کو ہمیشہ ہی اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ آپ کو اسی منہاج پر ملک کو چلانا ہے۔ جس پر ہمارا آئین ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ خیال رکھنا چاہیے کہ اس ملک کی بقا و سلامتی اور استحکام کا دار و مدار سیکولرازم پر ہی ہے۔ دراصل یہ وہی خطوط تھے جن کی بنیاد پر ہمارے قائدین نے ملک کو آزادی دلائی تھی۔ اور اسی کے آگے انگریز یہ بات سوچنے پر مجبور ہوئے تھے کہ وہ ہندوستانی قوم کی یکجہتی اور اتحاد کے سامنے اب زیادہ دن ٹک نہ پائیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا کہ وہ وطن عزیز کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ محترم وزیر اعظم صاحب آپ کو ان حقائق کو پیش نظر رکھنا ہے۔ اور ملک کے سیکولر کردار کو ہمیشہ ہی محفوظ و قائم رکھنا ہے۔ تاکہ ہمارا پیارا ملک اس حسین گلدستے کی مانند مہکتا رہے۔ جس میں مختلف قسم کے پھول اپنی خوشبوئیں بکھیر رہے ہیں۔

☆ **قومی اتحاد پر زور دیں:** کسی بھی ملک کی سلامتی و استحکام وہاں کے اتحاد میں مضمر ہوا کرتا ہے۔ یعنی کوئی قوم اور ملک تب تک ہی مضبوط و محفوظ رہے گا جب تک ان لوگوں میں اتحاد قائم رہے گا اور یہ تبھی ممکن ہے جب وہاں کی عوام کو بلا کسی تخصیص و تعصب کے ان کے حقوق حاصل ہوتے رہیں۔ اور انہیں ان کی صلاحیت و محنت کی بنیاد پر مراعات ملتی رہیں گی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب کسی ملک میں اس کا حکمراں اپنی عوام کے درمیان کسی بھی طرح کا بھید بھاؤ، تفریق اور جانب داری سے کام لینے لگے گا۔ تو اسی دن سے اس کی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی۔ اور ان میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔ جو کسی بھی ملک کے لیے تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔ ہمیں ماضی سے سبق لینا چاہیے کہ جب جب ہم منتشر ہوئے اور ہم میں بکھراؤ ہوا ہے باہری طاقتوں نے ہم پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ اور جب بھی ہم نے اتحاد کا ثبوت دیا ہے۔ تو بڑی سے بڑی طاقت کو ہم سے ٹکرانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ آزادی کی تاریخ ہمارے اس دعوے کی گواہ ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ملک کے تمام لوگوں کو ایک قوم سمجھتے ہوئے سب کے ساتھ محبت، ہمدردی اور اپنائیت کا برتاؤ کرنا

چاہیے۔ کبھی کسی سے بھی مذہبی، لسانی، علاقائی یا کسی اور طرح کی عصبیت کا مظاہرہ نہ کریں۔ ایک اچھے اور کامیاب حکمران کے طور پر نریندر مودی جی آپ کو بھی چاہیے کہ وطن عزیز کے اتحاد کو قائم رکھیں۔ اور اس کے لیے اپنی تمام صلاحیت وطاقت کو صرف کردیں۔ تاکہ وطن پوری شان وشوکت کے ساتھ قائم ودائم رہے اور آپ بھی ایک مضبوط ملک کے وزیراعظم کہلائیں۔

☆ **ملک کے استحکام پر فوکس رکھیں:** یوں تو ملک کے ہر ایک شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک کی سالمیت اور اس کے استحکام کو ہمیشہ ہی اپنا مقصد حیات بنائے۔ لیکن سربراہان حکومت بالخصوص وزیراعظم جو ملک کا سربراہ اعظم ہوا کرتا ہے۔ اس کی ذمہ داری اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کا عہدہ اور مقام ومنصب کی ذمہ داری ہی یہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سلسلے میں زبردست اختیارات اور وسائل ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے ملک کا استحکام اس کی بنیادی کوششوں میں ہونا چاہیے۔ یہ استحکام اندرونی وبیرونی ہر دو اعتبار سے ہی ہونا چاہیے۔ اندرونی طور پر ملک کے تمام باشندگان کے حقوق وضروریات کا خیال رکھنا۔ ان کو حسب صلاحیت ولیاقت ملک میں مواقع میسر کرانا۔ ملک کے وسائل وذرائع سے تمام شہریوں کو ان کے منصب ومراتب کے مطابق مراعات فراہم کرانا وغیرہ ہوسکتا ہے۔ بیرونی طور پر ملک کی مضبوط خارجہ پالیسی طے کرنا۔ بین الاقوامی مارکیٹ میں اپنی اقتصادی پالیسی مضبوط کرنا۔ طاقت واسلح کی بنیاد پر ملک کی فوج وعسکری نظام کو تقویت عطا کرنا۔ یہ سب خارجہ پالیسی کا حصہ اور بیرونی اعتبار سے ملک کو استحکام عطا کرنا ہے۔ اس سلسلے میں بھی وزیراعظم کو سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنا اور حسب ضرورت اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

☆ **رفاہی و فلاحی کاموں پر توجہ دیں:** وزیر اعظم کو اب انتخابی سرگرمیوں سے اپنی توجہ ہٹا کر ملک کی تعلیمی، طبی، اقتصادی اور رفاہی وفلاحی نیز عامۃ الناس کے تعلق سے دیگر کاموں پر توجہ دینا چاہیے۔ وزیراعظم کو چاہیے کہ بلا کسی تخصیص وجانب داری کے ملک کی ہر ایک کمیونٹی کے لوگوں کو تعلیمی اور طبی مراعات فراہم کرائی جائیں۔ اقتصادی پہلو سے بھی ہر ایک شہری کو مکمل امداد وتعاون دیا جائے۔ اپنی ایک ذاتی ٹیم تیار کرائیں جو ان اداروں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتی رہے کہ کسی کے ساتھ کسی طرح کی تفریق وتعصب تو نہیں ہو رہا ہے۔ کوئی ضرورت مند اپنی ضرورت سے محروم تو نہیں ہے۔ اس طرح سے عوام کا دل جیتا جا سکتا ہے۔ جو یقیناً ایک بڑی کامیابی ہوگی۔

☆ **انتقامی جذبے کو جگہ نہ دیں:** انتخابات کے موقع پر جو جماعتیں، گروہ یا افراد ان کے حریف ومدمقابل رہے ان کے تئیں اپنے دل میں انتقامی کاروائی کے جذبے کو ہرگز جگہ نہ دیں۔ وزارت عظمہ جیسے جلیل القدر عہدے پر فائز ہونے کے بعد اب آپ کو یہی سوچنا ہے کہ اب آپ کسی مخصوص گروہ، پارٹی، جماعت یا افراد کے ہی نہیں بلکہ ہر ایک ہندوستانی کے وزیراعظم ہیں۔ اور ہر ایک کی ضروریات پر دھیان دینا، آپ کا فرض منصبی ہے۔ اب آپ کو یہ نہیں سوچنا ہے کہ فلاں ہمارا ہمدرد ہے، اور فلاں مخالف ہے۔ فلاں نے ہمارا ساتھ دیا۔ اور فلاں ہمارے مدمقابل رہا۔ فلاں شخص ہمارا حلیف تھا اور فلاں حریف۔ اس طرح کی سوچ کو آپ کو اپنے دل میں ہرگز ہرگز بھی جگہ نہیں دینی ہے۔ بلکہ وزیراعظم کی حیثیت سے آپ کو ہر ایک ہندوستانی کو اپنا فرد اور اس کی ضرورت کو ہندوستان کی ضرورت سمجھنا چاہیے۔ اگر آپ اس وقت اس طرح کی فکر ونظر سے کام لیں گے اور ہر ایک شہری کی ضرورت کو پورا کرنے کا ارادہ رکھیں گے۔ تو آپ ایک کامیاب سربراہ حکومت اور ایک اچھے حکمراں ثابت ہوں گے۔ اور کامیابی پہلے سے کہیں زیادہ آپ کے قدموں کو چومے گی۔

☆ **تعصب اور بغض وعناد سے احتراز:** تفریق و امتیاز انسانی ترقی کے لیے زہر قاتل ہیں۔ اور ملک کا امن وامان اور خیر وسلامتی جذبہ امداد باہمی اور اتحاد ویکجہتی پر منحصر ہے۔ اس سلسلے میں اگر کبھی بھی جانب داری سے کام لیا جائے تو قومیں بکھر جاتی ہیں۔ ملک ٹوٹ جاتے ہیں۔ بالخصوص مذہبی اعتبار سے تو بڑی ہی احتیاط وذمہ داری کے ساتھ کام لینا چاہیے۔ کیوں کہ مذہبی جذبات انسان کے سب سے زیادہ حساس ونازک جذبات ہوا کرتے ہیں۔ حقائق وواقعات شاہد ہیں کہ اگر کسی انسان کا کوئی ذاتی نقصان ہو جائے یا اسے اقتصادی ومعاشی اعتبار سے چوٹ پہنچائی جائے تو وہ برداشت کر لیتا ہے۔ مگر اسی انسان کو اگر مذہبی اعتبار سے ٹارچر کیا جائے تو وہ اسے برداشت نہیں کر پاتا اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ حتی کہ اپنی جان سے بھی مفر نہیں کرتا۔ اس لیے ہمارے وزیراعظم کو چاہیے کہ مذہبی معاملات میں دخل نہ دیتے ہوئے ہر ایک کو مکمل آزادی دیں۔ **(باقی ص:۲۹ پر)**

چیختا انصاف اور دم توڑتی انسانیت

کر و فکر اپنے بقا کی

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

ہمارے ملک ہندوستان کا ترانہ ہے۔

سارے جہاں سے اچھا ہے ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

ہندوستان جنت نشاں بھی کہلاتا تھا جس میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، مختلف قومیں، مختلف مذاہب کے ماننے والے امن و شانتی سے بستے تھے (لیکن اب یہ جنت نشاں نہیں رہا) جب سے دوسری بار واضح اکثریت سے بی جے پی نے اقتدار پر قبضہ کیا ہے (قبضہ اس لیے کہ ایکشن کس طرح سے ہوا دنیا جانتی ہے) بھگوا دھاریوں نے حکومت کی پشت پناہی میں ہجومی بھیڑ (Mob Lynchng) کے ذریعے مسلمانوں اور دلتوں کو گائے کے نام پر قتل کا بازار گرم کر کے مسلمانوں کا جینا حرام کردیا ہے۔ چوری کے بہانے قتل، طرح طرح کے بہانوں سے نہتے مسلمانوں پر بھیڑ کے ذریعے حملہ آور ہو کر بے دردی سے قتل کرنا روز کا معمول بن گیا ہے۔ جو زہریلا پودا الیکشن کے وقت لگایا گیا تھا وہ اب تناور درخت بن گیا ہے اور مسلمانوں کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے، ٹرینوں ،سڑکوں اور جگہ جگہ پورے ملک میں اس طرح کے واقعات باقاعدہ منظم سازش کے تحت انجام دیے جارہے ہیں تاکہ مسلمان پست ہمت ہو جائیں اور آخری درجہ کے شہری کے طور پر رہیں۔ مسلمانوں کی پس ماندگی پہلے سے ہی کیا کم تھی کہ اب اس طرح ظلم وجبر کے ماحول میں اور زیادہ ہوتی جارہی ہے، خوف کے عالم میں لوگ جی رہے ہیں ۔حالیہ واقعہ ہے کہ علی گڈھ سے بریلی جاتے ہوئے ایک طالب علم کو بری طرح مار پیٹ کر ٹرین سے پھینک دیا گیا، یہ ظلم کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟ ڈر اور خوف کی وجہ سے لوگ سفر نہیں کر رہے ہیں کہ کب کیا حادثہ پیش آجائے۔

حالیہ واقعہ دھتکی ڈیہ، ضلع سرائے کیلا کھرساواں، جھارکھنڈ میں تبریز انصاری کا ہے، جو انتہائی ظالمانہ اور سفاکانہ قتل ہے، کسی اکیلے شخص کو باندھ کر ۱۷ گھنٹہ بھیڑ کے ذریعہ مارنا انتہائی شرم ناک اور افسوس ناک ہے، جس کی گونج چوپالوں سے پارلیمنٹ تک اور پوری دنیا تک پھیل گئی، امریکی حکومت تک نے رپورٹ شائع کی اور کہا ہندستان میں اقلیتوں، مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ افسوس صد افسوس! بے شرمی کی انتہا ہو گئی ہمارے ملک کے وزیر اعظم نریندر مودی جی کو اس کا احساس نہیں، فکر نہیں، مجرموں کو پکڑنے اور سزا دینے کے اعلان کے بجائے انھیں اس بات کا غم ہے کہ جھارکھنڈ کو بدنام کیا جارہا ہے۔ یہ ان کی سفاکی کا منھ بولتا ثبوت ہے جو ان کو گھٹی میں پلایا گیا ہے۔ آر ایس ایس کی آئیڈیالوجی کے وہ پروردہ ہیں اسی راہ پر گامزن ہیں۔ یہ ملک کے لیے انتہائی شرمناک اور خطرناک ہے۔

اتنا یاد رہے کہ ظلم کا انجام ظالم کے لیے بھی خطرناک ہوتا ہے دنیا کی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی، قادر مطلق احکم الحاکمین کا یہی فیصلہ ہے کی ہر ظالم کی وہ پکڑ فرماتا ہے، اور بہت سے طریقوں میں یہ بھی طریقہ ہے کہ ظالم پر اللہ اس سے بڑا ظالم مسلط فرما دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اور یوں ہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں بدلہ ان کے کیے کا۔

(۱) اس آیت کریمہ میں رب ذوالجلال نے ظلم کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر وہ اپنے ظلم سے باز نہ آئے تو اللہ ان پر ان سے بڑا ظالم مسلط کردے گا، جو انھیں ذلیل وخوار اور تباہ و برباد کردے گا۔

(۲) مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ کسی پر ظلم نہ کریں، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اے لوگو! اللہ عزوجل سے ڈرو، خدا کی قسم! جو مومن دوسرے مومن پر ظلم کرے گا تو قیامت کے دن اللہ عزوجل اس ظالم سے انتقام (ظلم کا بدلہ) لے گا۔

(۳) قرآن مجید میں ظالموں کی پکڑ، ظالموں کے انجام پر ۱۶۴ آیات کریمہ موجود ہیں۔

(۴) مسلمان موجودہ حالات سے مایوس نہ ہوں: حالات تو یقیناً ناگفتہ بہ ہیں پر مومن کو مایوس نہیں ہونا چاہیے اپنے اندر ایمانی قوت اور جذبہ کو بیدار رکھیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی بیدار رکھیں حالات پر کڑی

نظر رکھیں، آپس میں میل محبت قائم رکھیں، اسلامی تاریخ کا مطالعہ ضرور فرمائیں کہ ہمارے آقا ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وتمام بزرگان دین علیہم الرحمۃ پر کتنے مظالم ہوئے لیکن وہ ثابت قدم رہے تو اللہ کی مدد آئی قرآن مجید میں جابجا ذکر آیا ہے، آپ مسلمان ہیں آزمائشوں سے آپ کو گزارا جائے گا۔

قرآن مجید اعلان فرمارہا ہے:

ترجمہ: کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم (یوں ہی بلا آزمائش) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالاں کہ تم پر تو ابھی ان لوگوں جیسی حالت (ہی) نہیں بیتی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، انہیں تو طرح طرح کی سختیاں پہنچیں اور انہیں (اس طرح) ہلا ڈالا گیا کہ (خود) پیغمبر اور ان کے ایمان والے ساتھی (بھی) پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔

(۵) دین اسلام کا راستہ کبھی پھولوں کی سیج نہیں رہا کہ اٰمَنّا کہا اور چین سے لیٹ گئے۔ اس ''اٰمَنّا'' کی قدر کا تقاضا ہر زمانے میں یہ رہا ہے کہ آدمی جس دین اسلام پر ایمان لایا ہے، اسے قائم کرنے اور اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرے اور جو طاغوت (سرکش شیطان جو خدا سے منحرف ہو اور گمراہ کرے) اور اس راستے میں مزاحم ہو اس کا زور توڑنے میں اپنے جسم وجان کی ساری قوت لگادے چاہے اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

جوش کے ساتھ ہوش کو قائم رکھیں:

سوئی ہوئی ملت کے لوگ جاگ رہے ہیں تو بہت اچھی بات ہے لیکن ذمہ داران اپنے ماتحت لوگوں کو حکمت کے ساتھ دھرنا، پردرشن اور بیانات دینے کی بات کو سمجھائیں، ہر شخص میڈیا میں بیان نہ دے، حکومت اور مسلم دشمن طاقتیں راہ دیکھ رہی ہیں کہ کس طرح لوگوں کو قانون کے شکنجے میں جکڑیں۔ قانونی لڑائی میں مضبوطی دکھائیں، فوٹو بازی اور میڈیا سے دور رہیں، مسلمانوں میں جوش میں بیان بازی بہت ہوتی ہے لیکن بعد میں مظلومین کی طرف سے قانونی لڑائی میں ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ رشتے دار پڑوسی اور اس شہر کے لوگ قانونی لڑائی میں مظلوم کے ساتھ ثابت قدمی سے جمے رہیں ضرورت پڑنے پر بڑی جماعتوں جمعیۃ العلماہند، رضا اکیڈمی، مسلم پرسنل لا بورڈ، جماعت رضائے مصطفےٰ وغیرہ سے مالی، قانونی مدد لی، بیچ میں راستے میں ادھوری قانونی لڑائی کو چھوڑ کر نہ بھاگیں، یہ بہت ضروری ہے، اس پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ انصاف! تو ایسے ہی مہنگا اور داؤں پینچ میں پھنس کر ختم ہوتا جارہا ہے، پھر بھی جو باقی ہے اسے حاصل کرنے کی جدو جہد میں ثابت قدمی ضروری ہے۔ گجرات میں بلقیس بانو کا کیس، یوپی میں ڈاکٹر کفیل کا کیس وغیرہ وغیرہ اس کی مثال ہے، ہمت صبر، اور اعتماد کی سخت ضرورت ہے۔ اپنے بچوں کو جسمانی ورزش، جوڈو، کراٹے جِم وغیرہ ضرور سکھائیں، آج کا نوجوان صرف موبائل کا دیوانہ حواس باختہ ہو گیا ہے اور اپنے اطراف کی سازشوں سے بے خبر ہے۔ یاد رکھیے دنیا اور دشمن کبھی بزدلوں کو جینے کا حق نہیں دیتے، جو عزم محکم اور مضبوط قوت ارادی کا مالک ہوتا ہے وہی حالات زمانہ کے اعتبار سے زندہ رہ سکتا ہے۔ "عقل مندرا اشارہ کافی است" مسلمانوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بزدلی کی موت مرنا مسلمانوں کے لیے باعث شرم اور عار ہے۔

جلتی لاشوں کا یہ جنگل ہے درندے ہیں یہاں
آدمی کا دور تک نام و نشاں کوئی نہیں

اسلام میں جہاں ظالم کو معاف کرنے پر اجر وثواب ہے وہیں ظالم سے بدلہ لینے پر بھی ثواب ہے۔ ماب لنچنگ کے واقعات کے پیش نظر قرآن کریم کی سورہ شوریٰ کی آیت ۳۹ سے ہمیں کیا رہنمائی ملتی ہے اس پر غور فرمائیں اور اس پر عمل فرمائیں!

ترجمہ: اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

ظالموں سے لڑنا اہل ایمان کی ایک بہترین صفت قرآن مجید نے بتائی ہے، اہل ایمان ظالموں اور جابروں کے لیے نرم چارہ نہیں ہوتے، ان کی نرم خوئی اور عفو درگزر کی عادت کمزوری کی بنا پر نہیں ہوتی، ایمان والوں کو بھکشوؤں اور راہبوں کی طرح مسکین بن کر رہنا نہیں سکھایا گیا ہے، ان کی شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ جب غالب ہوں تو مغلوب کے قصور کو معاف کر دیں جب قادر ہوں تو بدلہ لینے سے درگزر کریں اور جب کسی زبردست یا کم زور آدمی سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو چشم پوشی کر جائیں، لیکن جب کوئی طاقت ور اپنی طاقت کے زعم میں ان پر زور زبردستی ظلم کرے تو ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں اور مقابلہ کریں اور اس کے دانت کھٹے کر دیں۔ "مومن کبھی ظالم سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی اس متکبر کے آگے جھکتا ہے اس قسم کے لوگوں کے لیے وہ لوہے کا چنا ہوتا ہے جسے چبانے کی کوشش کرنے والا اپنا ہی جبڑا توڑ لیتا ہے"۔

اسلام جان وایمان کی حفاظت کو ترجیح دیتا ہے:

تبریز انصاری یا اور بھی لوگ جو ماب لنچنگ میں (شہید ہوئے) مارے گئے ظالموں نے اپنے مذہبی نعرے بھی لگوائے دیدہ دلیری اور بے شرمی کی حد ہو گئی کسی کو مار مار کر آپ اپنے مذہبی نعرے لگوا کر مزے

لے رہے ہیں یہ انتہائی سفاکی اور بے شرمی کی بات ہے، جس کی جان پر بنی ہوئی ہے وہ بے چارہ کیا کرے مجبوری میں نعرے بھی لگاتا ہے۔ ہمارے ملک کے وزیر اعظم نریندر مودی نے جھارکھنڈ کے سانحہ پر پارلیامنٹ میں محض افسوس جتایا، نہ ہی مجرموں پر کوئی کارروائی کی بات کی اور نہ ہی کوئی معاوضہ کی بلکہ جھارکھنڈ کو بدنام کرنے کا الزام لگا دیا، اور اب پارٹی کی میٹنگ میں پارٹی کی بدنامی کا افسوس جتا رہے ہیں، مسلم عورتوں سے جھوٹی محبت دکھانے والا دل کہاں سو گیا؟ شادی کے صرف ۵۷ دن کے بعد ان کے نظریات کے ماننے والوں نے جوان عورت شائستہ کو بیوہ بنا دیا؟ پارٹی اور جھارکھنڈ کی بدنامی کا احساس تو صرف دکھاوا ہے۔ جھارکھنڈ تو لنچستان بنا ہوا ہے ۱۸؍مارچ ۲۰۱۶ لاتیہار، مظلوم انصاری، امتیاز انصاری، ۱۸؍مئی ۲۰۱۷ شیخ علیم، سراج خان، بلو مشاہیر ہندو (دلت) سے لے کر ۱۷؍جون ۲۰۱۹ تبریز انصاری، سرائے کیلا کھرساواں تک ۱۹ لوگ موب لنچنگ (ہجومی تشدد) بھیڑ کے ذریعہ شہید کیے جا چکے ہیں پوری لسٹ میرے پاس موجود ہے۔

ظالموں کی بھیڑ کے ذریعہ جب کسی مسلمان کو جان سے مارا جا رہا ہو اور اس مظلوم مقتول سے مذہبی نعرے لگوائے جائیں تو مظلوم کے لیے شریعت اسلامیہ نے جان و ایمان کے تحفظ کا راستہ بتایا ہے اس سلسلے میں فقہ کی مشہور کتاب، المدخل الی المذاہب الفقہیہ میں مصر کے سابق مفتی جمہوریہ ڈاکٹر مفتی علی جمعہ نے بہت صراحت کے ساتھ شریعت کے مقاصد کو بیان فرمایا ہے۔ آپ نے مقاصد شرع بیان کرتے ہوئے امام غزالی اور دیگر علما کے حسب ذیل امور کو شمار کرایا ہے:

(۱) حفاظت دین، (۲) حفاظت جان، (۳) حفاظت مال،
(۴) حفاظت عقل

مصر کے مفتی جمہوریہ ڈاکٹر مفتی علی جمعہ نے پہلے نمبر پر حفاظت دین کے بجائے حفاظت جان کو کر دیا ہے اور حفاظت دین کو دوسرے نمبر پر کر دیا ہے۔ پھر اس تبدیلی پر ہونے والے شبہات کا تفصیلی جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ اختلاف ترتیب سے اختلاف معنی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چوں کہ نتیجے کے اعتبار سے سب سے اہم دین ہے، یہ بات متفق علیہ ہے، کیوں کہ دراصل دین ہی انسان کی نجات کا ضامن ہے۔ اسی طرح یہ امر بھی متفق علیہ ہے کہ جان کی سلامتی کے ساتھ ہی انسان دین صحیح پر ثابت قدم رہتا ہے۔ اگر جان ہی نہ ہو تو پھر وہ کس دین کی حفاظت کرے گا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حالت ”اضطرار“ میں حرام بھی حلال ہو جاتا ہے اور دل ایمان پر قائم ہو تو زبان سے کفر کے اقرار سے بھی ایمان پر فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح اگر کوئی کافر مسلم ریاست کا وفادار شہری ہے اگرچہ وہ دین کے اعتبار سے کفر پر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی جان رہے گی تب تو وہ آپ کی دعوت کا حق دار ہوگا اور اس کے لیے نجات سرمدی کا دروازہ کھلے گا۔ گویا آغاز کے لحاظ سے جان کی حفاظت اولین شے ہے، دونوں کی اولیت دو الگ الگ جہتوں سے ہے۔

۲۔ جب دونوں ترتیب میں معنوی لحاظ سے کوئی فرق نہیں تو پھر مفتی صاحب نے ترتیب کیوں پلٹ دی؟ اس کا جواب مفتی صاحب نے یہ دیا ہے کہ اگرچہ دونوں ترتیب میں معنوی لحاظ سے کوئی فرق نہیں، تاہم میری جدید ترتیب، جس میں جان کی حفاظت کو پہلا مقام دیا گیا ہے، معاصر ذہن، عصری تقاضے اور دعوتی نقطۂ نظر سے زیادہ مفید ہے۔ جب ہم یہ کہیں گے کہ اسلام دین کی دعوت کو پہلی ترجیح دیتا ہے، تو ایک شبہ ہوگا کہ اسلام حقوق انسانی کی بات بعد میں کرتا ہے، اپنے مذہب کی بات پہلے کرتا ہے۔ گویا اسلام کی حفاظت کے لیے دوسروں کی جان لینا بھی اسلام میں جائز ہے۔ اس کے برخلاف جب جان کی حفاظت کو ہم پہلے نمبر رکھیں گے تو یہ پیغام جائے گا کہ اسلام سب سے پہلے پوری انسانیت کی حفاظت اور بقا کو ترجیح دیتا ہے اور کسی کی جان بچانے کے لیے اس کے حق میں قبول اسلام کو شرط نہیں سمجھتا۔ اسلام پوری انسانیت کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے، صرف مسلمانوں کو تحفظ فراہم نہیں کرتا۔ اس سے یہ ہوگا کہ غیر مسلموں میں اسلام کی اچھی شبیہ قائم ہوگی اور جدید ذہن کے حق میں اسلامی دعوت کے امکانات وسیع تر ہو جائیں گے۔

اسلامی تاریخ میں پہلی ماب لنچنگ:

اس ترتیب جدید کا ایک اور فائدہ سمجھ میں آتا ہے۔ وہ یہ کہ ہندوستانی مسلمان، ایمانی سطح پر بہت مضبوط مسلمان ہے۔ وہ اپنی جان کی بازی لگا سکتا ہے، مگر دین پر حرف آئے، یہ اسے گوارا نہیں۔ وہ اس جوش ایمانی میں عام طور پر اس سے بھی بے خبر ہے کہ مجبوری کے عالم میں زبان پر کلمۂ کفر لا دینے سے بھی ایمان پر حرف نہیں آتا، اگر دل ایمان پر مطمئن ہو۔ چنانچہ اہل مکہ ایک دن چند غریب مسلمانوں کو باندھ کر انہیں زود کوب کرنے لگے یہ مسلمانوں کے ساتھ اسلامی تاریخ میں پہلی ماب لنچنگ ہوئی تھی اور اس میں پہلی جان جو شہید ہوئی تھی، وہ حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ کی تھی۔ وہ کہتے تھے ہمارے خداؤں کی جے پکارو۔ ہبل اور لات منات کا نعرہ لگاؤ۔ حضرت سمیہ نے نعرہ نہیں لگایا، ظالموں نے انہیں بے رحمی سے شہید کر دیا۔ **(باقی ص: ۴۴ پر)**

مدارسِ اسلامیہ: ایک جائزہ

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکروبصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔از: مبارک حسین مصباحی

اگست ۲۰۱۹ء کا عنوان	آزادیِ ہند میں علما کا کردار اور موجودہ سیاسی صورتِ حال
ستمبر ۲۰۱۹ء کا عنوان	دینی جلسوں کا معیار، ایک تعمیری جائزہ

اسلامی مدارس کا سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے

از: **مولانا ناظم علی مصباحی**، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ہمارے ملک کے طول و عرض میں دینی مدارس کا ایک حسین سلسلہ قائم ہے جو اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں لیکن مقامِ غور یہ ہے کہ ان تمام مدارس سے کیا ان کے قیام کے مقاصد کما حقہ حاصل ہوتے ہیں، سچائی یہ ہے کہ کچھ مدارس تو بلا شبہہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ دینی مدارس میں داخل ہونے والے طالبانِ علومِ نبویہ کو اعلیٰ دینی تعلیم و تربیت سے سرفراز کر کے ان کی علمی و عملی زندگی کو مشک بار بنایا جائے، انھیں اعلیٰ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تربیت سے مزین و آراستہ کیا جائے تاکہ وہ امتِ مسلمہ کی صحیح قیادت کر سکیں، وہ اس کے لیے ہمیشہ لائحۂ عمل طے کرتے رہتے ہیں۔ طلبہ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے اصول و ضوابط نافذ کرتے اور انھیں جاری کرتے ہیں، طلبہ کی علمی و عملی زندگی کا جائزہ لیتے رہتے ہیں، اس کے لیے اساتذہ و ارکان کی میٹنگ کرتے ہیں اور محسوس کی جانے والی کمی کے تدارک کے لیے مشاورت کرتے ہیں، طلبہ کے نظامِ تعلیم و نصابِ تعلیم پر گہری نظر رکھتے ہیں، طلبہ کے اذہان اور زمانہ کے حالات کے پیشِ نظر اس میں اصلاح کی کوشش کرتے ہیں تاکہ کاروانِ علم و ادب کامیابیوں کے ساتھ جادہ پیما ہوتا رہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے مدارس بھی ہیں جو مدارس کے قیام کے مقاصد سے حد درجہ دور رفتہ نظر آتے ہیں، جس کے مختلف اسباب و علل ہیں۔ اس مختصر سی تحریر میں اس کی تفصیل تو ہم پیش نہیں کر سکتے مگر اجمالاً کچھ چیزیں گرفتِ تحریر میں لانے سے کوئی چیز مانع نہیں۔

کچھ مدارس میں تو نصابِ تعلیم ہی کی کمی ہے، بعض مدارس تو سال بھر عربی و فارسی بورڈ کے امتحانات کی تیاری میں مشغول رہتے ہیں، کچھ مدارس میں یہ تیاریاں تو نہیں مگر ان کے کوئی نصابِ تعلیم و نظامِ تعلیم متعیّن نہیں، وہ ایک کتاب اولیٰ کی ایک کتاب ثانیہ اور ایک ثالثہ کی اس طرح سے تعلیم دیتے ہیں، پھر اس کے لیے مناسب کتاب کا بھی انتخاب نہیں کرتے۔ جس طالبِ علم کی جس کتاب کی اور جتنی مقدار کی خواہش ہوتی ہے اسی کتاب اور اسی مقدار کو پڑھانے پر اکتفا کرتے ہیں، ان کی تعلیم کا وقت متعیّن نہیں ہوتا۔ کچھ مدارس کا حال یہ ہے کہ مدرسہ میں کچھ طلبہ آجائیں اور کسی طرح انھیں تعلیم دی جائے، لیکن ان کی ایسی تعلیم جس سے ان کی علمی و عملی زندگی میں انقلاب پیدا ہو وہ اس سے یکسر غافل رہتے ہیں، انھیں اس کی ذرا بھی فکر نہیں ہوتی کہ طلبہ پڑھنے میں مشغول ہیں یا اپنے قیمتی اوقات ضائع کر رہے ہیں، اس سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔ کچھ مدارس ایسے

ہیں جہاں بہترین نصاب تعلیم ہے، طلبہ کا ہجوم بھی ہے مگر ارکان کو تعلیم و تربیت سے دل چسپی نہیں، وہ اساتذہ وطلبہ کو لایعنی کاموں میں مشغول رکھتے ہیں، سلا کا اکثر حصہ قرآن خوانی، فصل اور چمڑے وغیرہ کی وصولیابی میں مشغول رکھتے ہیں، وہ اس پر کڑی نظر رکھتے ہیں، ذرا کمی ہوئی تو سخت غصہ کرتے ہیں، طلبہ قرآن خوانی کے عادی ہو جاتے ہیں وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمیں اسی لیے یہاں داخل کیا گیا ہے، ان پر کوئی استاذ کیا سختی کر سکتا ہے، ان کی تعلیم کا قیمتی وقت جب ضائع ہو رہا ہے تو نصاب تعلیم کتنا ہی اچھا ہو وہ کیا حاصل کر سکتے ہیں، جو لوگ ان بچوں کو قرآن خوانی کے لیے استعمال کرتے ہیں اگر ان سے کہا جائے کہ وہ خود مدرسہ میں داخل ہو کر اس کام کو انجام دیں، وہ اس کے لیے ہرگز تیار نہیں مگر طلبہ نہ جائیں تو اس کے لیے جنگیں کرتے ہیں، دنیا بھر کی بکواسیں کرتے ہیں، ہم چندہ نہیں دیں گے، یہ کریں گے، وہ کریں گے وغیرہ۔

یاد رکھیں یہ طلبہ قوم کی امانت ہیں چاہے ارکان ہوں یا اساتذہ و عوام ہر ایک سے اللہ عزوجل کے یہاں پرسش ہوگی:

"کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیۃ."

طلبہ کی تعلیم کے لیے جو ایام تعلیم مقرر ہیں اور ان میں مقدار تعلیم مقرر ہے انھیں بحسن وخوبی انجام نہ دے کر محض خانہ پری کر دینا اور یہ ذہن دینا کہ ہم نے مقدار پوری کر دی ہے اس سے اپنے فریضہ سے سبک دوشی نہ ہوگی اور نہ ہی تعلیم کے مقاصد حاصل ہوں گے اور نہ ہی طلبہ کی علمی زندگی مستحکم و خوش گوار ہوگی۔ ایک اعلیٰ مدرس کے فرائض سے ہے کہ طلبہ کی علمی و عملی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرے، اس کے لیے اعلیٰ نصاب تعلیم و نظام تعلیم مقرر کرے، ان کی تعلیم و تربیت کی راہ میں کوئی کمی محسوس کرے تو اس کے سد راہ کی مکمل کوشش کرے، اس کے لیے عوام، ارکان، اساتذہ و طلبہ سبھی کا تعاون درکار ہے۔ اقتدار کی کرسی پر مسند نشیں ہونے کے لیے دینی ادارہ کے قیام کا جو اعلیٰ مقصد ہے اس سے غافل رہ کر غیر تعلیمی امور پر اپنی توجہ مرکوز رکھنے سے دینی تعلیم کے قیام کے مقاصد حاصل نہ ہوں گے اور نہ ہی ادارہ کی تعلیمی ترقی ہوگی:

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی
این راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

آج سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی مدارس کا سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے اور ان کی تعلیم و تربیت کو مستحکم کرنے اور طالبان علوم نبویہ کو اعلیٰ تعلیم و تربیت سے سرفراز کرنے کے لیے اعلیٰ نصاب تعلیم و نظام تعلیم بنایا جائے، اس راہ میں درپیش موانع کو دور کرنے کی پوری کوشش کی جائے تاکہ قوم کو اعلیٰ داعی و مبلغ اور قائد حاصل ہوں اور دینی ضرورتیں پوری ہوں۔ ☆☆☆

دینی مدارس اسلامی روایات اور تہذیب کے سرچشمے

از: **مولانا محمد عابد چشتی**، abid.chishti@rediffmail.com

تقسیم ہند کے بعد خالص دینی تعلیم کے لیے قائم ہونے والے مذہبی ادارہ جات اگرچہ اسلامی تہذیب اور ملی شناخت کے تحفظ اور اس کے دفاع میں وجود میں آئے مگر چھ دہائی کے طویل تجربات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ خود مختار مدارس اور ان کا تعلیمی نظام نہ ہوتا تو مسلمانوں کی شرح خواندگی اور علمی نمائندگی کا گراف اتنا بھی نظر نہ آتا جتنا کہ آج ہمارے سامنے ہے۔ ان مدارس نے تمام تر بے سروسامانی، حکومتی بے اعتنائی اور متعصب ماحول میں مسلم معاشرے کو علمی دھارے سے جوڑنے کا جو کام کیا ہے یہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے جسے کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ دینی مدارس اسلامی روایات اور تہذیب کے ایسے سرچشمے ہیں جہاں سے امت مسلمہ کے اندر عملی، اخلاقی اور علمی فکر کی آبیاری کی جا رہی ہے اور مدارس کے ذریعہ فراہم کردہ افراد ملت کی ذہنی تطہیر کے ساتھ ساتھ ان کے سماجی کردار کو صحیح رخ دینے میں شب و روز لگے ہوئے ہیں ، اور یہ کام اگرچہ مذہبی رجحان کے تحت کیا جا رہا ہے مگر ملک اور معاشرہ پر براہ راست اس کے اچھے اور مثبت اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

مذکورہ باتیں مجموعی طور پر دینی مدارس اور مذہبی دانش گاہوں کے تعلق سے خوش کن اور مبنی بر حقیقت کہی جا سکتی ہیں، تاہم مدارس اسلامیہ کی کارکردگی اور ان کی خدمات کا یہ صرف ایک رخ ہے جبکہ دوسرا رخ، جس پر چند معروضات پیش کی جائیں گی، بہت

زیادہ امید افزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ مایوس کن بھی ہے، اس لیے کہ اس رخ سے مدارس میں تعلیمی انحطاط، تربیتی پسماندگی، بدنظمی، لا قانونیت، تساہلی، منصوبہ بندی کا فقدان، طلبا کے مستقبل کے تئیں مجرمانہ بے توجہی جیسے آثار صاف دکھائی دیتے ہیں جن کا منصفانہ اور بے باک تجزیہ بھی ہونا چاہیے اور ان کی اصلاح کے لیے عملی اقدامات بھی۔ ہم چند پہلوؤں پر اپنی بات رکھنا چاہیں گے جس سے قارئین کو اختلاف اور اتفاق کا پورا حق حاصل ہوگا:

مدارس کا تعلیمی انحطاط:

دینی مدارس کی خشت اول میں جن مقاصد کا خمیر شامل کیا گیا ہے وہ ہے اسلام کی ترویج و اشاعت اور مذہب کے دفاع کے لیے ایسے افراد کا تیار کرنا جو ہر سطح پر اسلام کی نمائندگی کا فریضہ انجام دے سکیں اور اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو اپنی علمی قوتوں سے دبا دیں۔ ماضی کی تاریخ بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ اسلام کی مضبوط بنیادوں کو متزلزل کرنے کے لیے جب بھی باطل قوتیں نمودار ہوئیں اور اسلامی نظام کو چیلنج کیا گیا اس وقت انہیں دینی مدارس میں دال روٹی کھا کر پروان چڑھنے والے جیالوں نے سامنے آکر اسلام مخالف قوتوں کا نہ صرف پوری شدت کے ساتھ مقابلہ کیا بلکہ انہیں کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ چاہے خارجی سطح پر "برناڈ شا" اور تحریک ارتداد چلا کر مسلمانوں کے ایمان کا شکار کرنے والے سوامی دیانند اور سوامی شردھانند ہوں یا پھر داخلی سطح پر مرزا قادیانی، اسماعیل دہلوی، ابو الاعلیٰ مودودی اور سید احمد خاں جیسے مسلم نما لوگ۔ اسے مدارس اسلامیہ کا فیضان ہی کہا جا سکتا ہے جہاں کی علمی فضا میں ایسی عظیم شخصیتیں پروان چڑھیں۔ مگر افسوس کہ اب مدارس کے حالات اس کے بالکل برعکس ہیں اور اب مدارس اسلامیہ کی اکثریت اپنے مقصد میں بری طرح ناکام ہے جس کی وجہ مدارس میں در آنے والے تعلیمی انحطاط کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں مدارس کا جال بچھا ہوا ہے جہاں تشنگان علوم کو سیراب کرنے اور ان کی علمی پیاس بجھانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مدارس کی موجودہ اکثریت نہ تو تشنگان علوم کو سیراب کرنے میں کامیاب ہے اور نہ ہی وہاں سے علم و حکمت کے قابل قدر چراغ روشن ہو رہے ہیں (الا ماشاء اللہ) بس ایک کاروان شوق ہے جو بغیر کسی واضح مقصد کے بے سمت چلا جا رہا ہے۔ اس موقع پر فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کا یہ حقیقت پسندانہ اور درد بھرا ریمارک بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے، فرماتے ہیں:

"اراکین کی طلب نام آوری، مدرسین کی سستی و دنیا طلبی، طلبہ کی مستقبل سے بے خبری و لا پرواہی اور گارجین حضرات کی جہالت و خوش فہمی نے خاص طور سے بنگال اور مشرقی بہار میں وہ کردار ادا کیا کہ الامان و الحفیظ۔ اب ان درسگاہوں سے فارغ ہو کر نکلنے والے دنیاوی علم تو رہنے دیجیے، خالص دینی علم جس کے لیے انہوں نے عمر عزیز کا خاص حصہ صرف کیا ہے اس کے بھی ماہر تو کجا؟ سدھ بدھ بھی نہیں رکھتے ہیں۔ نماز کی امامت جو در حقیقت خدا کی بارگاہ میں اپنی فریاد پیش کرنے اور مقتدیوں کی طرف سے فریاد پہنچانے کی وکالت کا نام ہے اور جو قرآن کا معنیٰ و مطلب سمجھے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتی، اس کا فریضہ تو وہ کیا انجام دیں گے؟ بالعموم تلفظ کے ساتھ وہ پڑھ بھی نہیں سکتے ہیں کہ ان کی اقتدا میں ظاہری نماز بھی درست ہو"۔

مزید غم و غصہ کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اپنے درد و کرب کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قرآن جس کے ذریعہ علما کو دنیا کی ہدایت کا کام سونپا گیا تھا آج وہ اس سے صرف تیل اور پانی پر دم کرنے کا کام لے رہے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت حال کو دیکھ کر ہر درد مند دل ضرور کڑھتا ہوگا۔

(پیغام مصطفیٰ، ستمبر تا نومبر، ص:۴۱)

سوچنے والی بات ہے کہ مدارس کے نوسالہ کورس کی تکمیل کے بعد بھی اگر طالب علم کے اندر صحیح سے قرآن پڑھنے کی بھی لیاقت نہ پیدا ہو پائے تو پھر آخر ایسے افراد سے ملت کا کون سا بڑا کام لیا جا سکتا ہے؟

تعلیمی انحطاط کی اہم وجوہات:

دینی مدارس میں در آنے والے اس حیران کن تعلیمی زوال اور علمی پسماندگی میں اگر "نصاب تعلیم" کے معاملہ کو علاحدہ کر دیا جائے تو "طریقہ تعلیم" اور "مدارس کی بدنظمی" کو بہت حد تک تعلیمی تنزلی کا سبب مانا جا سکتا ہے۔ جہاں ایک طرف عصری دانش گاہوں میں تعلیم کو بہتر سے بہتر اور بچوں کے حق میں مفید بنانے کے لیے تمام ممکنہ گوشوں پر وقتاً فوقتاً غور و خوض کیا جاتا ہے اور غور و فکر سے برآمد ہونے والے نتائج کی روشنی میں طریقہ تعلیم میں تبدیلیاں کی جاتی ہیں، وہیں ہمارے مدارس کے ذمہ داران اور ارباب حل و عقد نہ صرف

اس طرح کی سرگرمیوں سے نا آشنا ہیں بلکہ ان چیزوں سے ہمیشہ گریزاں نظر آتے ہیں۔ مدارس کا موجودہ طریقہ تعلیم ہمارے نونہالوں کے حق میں کس قدر علمی بے مائیگی اور فنی کمزوری کا سبب بن رہا ہے اس کا اندازہ صرف اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سات سال تک عربی قوانین پڑھنے والا طالب علم اور "الکلمۃ" کے "الف لام" تک کی بخیہ ادھیڑ کر رکھ دینے والا بچہ چند سطر عربی عبارت خوانی کے نام پر خوف زدہ نظر آتا ہے اور نحو و صرف کی بڑی بڑی کتابیں پڑھ لینے کے باوجود اس کے اندر عربی میں سن ولادت یا گنتی لکھنے تک کا شعور بیدار نہیں ہو پاتا ہے۔ یہ مدارس کے وہ زمینی حالات ہیں جن پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

طریقہ تعلیم کے ساتھ ساتھ مدارس کی بدنظمی بھی طلبہ کے مستقبل میں گھن لگانے کا کام کر رہی ہے، چندان مدارس کو چھوڑ کر جو سرکاری امداد یافتہ ہونے کی وجہ سے بمجبوری تمام کچھ نظم و ضبط کے پابند ہیں ان کے علاوہ مدارس کی بدنظمی کا حال بایں جا رسید کہ اگر صرف طلبہ کی درسگاہوں میں حاضری اور اساتذہ کرام کی کارکردگی کا کوئی ریکارڈ طلب کر لیا جائے تو مدارس کی اکثریت بغلیں جھانکنے پر مجبور ہوگی۔ اور جب حالات اس قدر خطرناک صورت اختیار کر جائیں تو قوم کے ناواقف اور مستقبل سے ناآشنا بچوں کا اللہ ہی مالک ہے۔

طلبائے مدارس کی تربیت:

مدارس کے طلبہ مستقل کے قائد اور قوم و ملت کے رہنما ہوتے ہیں، جن کے کاندھوں پر ملت کی مذہبی رہنمائی کی عظیم ذمہ داری رکھی جاتی ہے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مذہبی اور اسلامی رہنما کے لیے سب سے پہلے خود اپنی زندگی کے ہر لمحے کو مذہب کی روح اور مزاج سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ اس کی قیادت کا عمل رول ماڈل کے طور پر اپنا تسلسل جاری رکھ سکے۔ مگر اس جہت سے مدارس کا تجزیہ کرنے سے انتہائی افسوس ناک نتائج نکل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہ طلبہ جن کو سماج میں اسلامی انقلاب اور مذہبی ذہنیت کی فضا ہموار کرنے کے لیے بلا معاوضہ تمام تر سہولیات فراہم کی جاتی ہیں ان کا حال یہ ہے کہ خود ان کی زندگی میں مذہب کی نمائندگی نہ کے برابر نظر آتی ہے، بس ٹوپی اور کرتے کی بدولت وہ اپنے تشخص اور وقار کا بھرم رکھے ہوئے ہیں۔ چاہے وہ ملک کے وہ عظیم ادارہ جات ہوں جہاں کی علمی دھمک پورے ہندوستان میں محسوس کی جاتی ہے اور جہاں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہوں یا چند طلبہ پر مشتمل چھوٹے مدارس اگر طلبہ کی مذہبی تربیت اور اسلامی تعلیمات کا رنگ ان کی زندگی میں دیکھنا ہے تو اس دن دیکھا جاسکتا ہے جب مدرسہ کے تمام اساتذہ کسی پروگرام میں شرکت کے لیے مدرسہ سے کچھ دیر کے لیے رخصت ہو جائیں، خدا کی پناہ! اس دن نماز میں چند طلبہ کے علاوہ باقی سوتے، کھیلتے، موبائل پر بات چیت کرتے یا پھر کسی میچ اور آنے والی فلموں پر تبصرہ کی محفلیں سجائے دکھائی دیتے ہیں۔

ہم مدارس اسلامیہ میں تربیت ماحول کو لے کر بہت گہرائی میں گفتگو نہیں کرنا چاہتے ہیں، مگر ذہن میں بار بار یہ سوال دستک ضرور دیتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ دس سال تک قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرنے والے یہ طلبہ خود اسلامی مزاج کے سانچے میں نہیں ڈھال پاتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کا حسن انہیں متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتا ہے جس کا ایک منفی اثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب یہ طلبہ مدارس کی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں، خاص طور سے جب یہ عصری جامعات کا رخ کرتے ہیں تو پھر محض تین مہینہ کے قلیل عرصہ میں یہ خود کو اس قدر تبدیل کر لیتے ہیں کہ آپ انہیں دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکتے کہ سامنے والا دینی مدرسہ کی مقدس فضاؤں کا پروردہ ہے۔

طلبائے مدارس کی روحانی تربیت اور ان کے ذہن و فکر میں اسلامی روایات کا حسن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مدارس کے ارباب حل و عقد اس طرف بھی اپنی عنان توجہ منعطف فرمائیں۔ مدارس اسلامیہ میں تربیت و ذہن سازی کا یہ فقدان نہ تو ان طلبہ کے حق میں سود مند ہے اور نہ ملت و مذہب کے حق میں اور اس پورے معاملے میں جہاں ہم طلبہ کو قصوروار ٹھہرا سکتے ہیں وہیں کسی نہ کسی حد تک مدارس کے ذمہ داران بھی ان حالات کے جواب دہ ہیں۔ دیکھنے میں یہاں تک آتا ہے کہ کچھ مدارس میں تربیت اور اصلاح و موعظت کے نام پر سال سال بھر ایک نشست کا بھی اہتمام نہیں کیا جاتا ہے، قرآن و حدیث کی تعلیم صرف رٹ رٹا کر امتحان دینے تک محدود کر دی گئی ہے اور اسی رویہ نے دینی مدارس سے اسلامی تعلیم کی روح کو فنا کر کے رکھ دیا ہے۔

موجودہ حالات اور مدارس کی بے احتیاطیاں:

موجودہ حکومت نے کرسی اقتدار تک پہنچنے کے لیے سیاست میں مذہب کا جو کارڈ کھیلا ہے اس کی وجہ سے ملک کے حالات یکسر

بدل چکے ہیں اور جن عزائم کو لے کر حکومت نے اپنی فضا ہموار کی ہے اکثریتی فرقے کے تسکین قلب کے لیے وہ ان کو عملی جامہ پہنچانے لیے پرعزم بھی ہے اور کوشاں بھی۔ دوسری طرف حکومت کی خاموش تائید اور شہ نے اکثریتی فرقے کے حوصلے بلند کر رکھے ہیں ، ہماری عبادت گاہیں اور مدارس خاص طور سے دشمنان اسلام کے نشانے پر ہیں ، ایسے حالات میں ہماری چھوٹی موٹی بے احتیاطیاں بھی مدارس کے حق میں کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہیں۔ مگر کیا کیا جائے تساہلی اور حالات سے بے خبری کا کہ ابھی بھی مدارس کی اچھی خاصی تعداد ایسی ہے جہاں قانون اور ضابطوں کا کوئی مطلب نہیں ہے اور اس ماحول کی نہ وہ اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور نہ کوئی مناسب اقدام ۔ مثلا بہت چھوٹی اور بنیادی بات ہے کہ ملک کے مختلف گوشوں سے طلبہ مدارس کا رخ کرتے ہیں ، ایسے میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی طالب علم کے داخلے کی کارروائی کا عمل اس وقت تک آگے نہ بڑھایا جائے جب تک کہ اس کی شناخت کے مصدقہ اور اطمینان بخش ثبوت فراہم نہ ہوجائیں ، ہر بچے کا پورا ریکارڈ رکھا جائے ، اگر کوئی بچہ درمیان سال میں مدرسہ چھوڑتا ہے تو اس کی اطلاع والدین کو دی جائے اور ایسے بچوں کا ریکارڈ بھی محفوظ ہو تاکہ تفتیش کے وقت اسے پیش کیا جاسکے ، اسی طرح جو اساتذہ مدارس میں خدمات انجام دے رہے ہیں ان کا ریکارڈ بھی رکھنا ضروری ہے ، یوں ہی طلبا اور اساتذہ کی حاضری ، تعطیل اور رخصت وغیرہ کی مکمل شفاف تفصیلات رکھی جائیں ، مگر آپ کو حیرت ہوگی کہ مدارس کی ایک لمبی فہرست ایسی ہے جہاں مذکورہ امور کی طرف بھی توجہ دینے کی زحمت نہیں اٹھائی جاتی ہے ، نہ طالب علم کے شناختی دستاویز سے انہیں کوئی سروکار ہے اور نہ ان کے شفاف ریکارڈ سے ، اب بقیہ تفصیلات کی پوزیشن بتانے کی حاجت نہیں ہے۔ خیر ایسے مدارس کو اب بہت جلد نوشتہ دیوار پڑھ کر ہوش کے ناخن لے لینا چاہیے ، اب حالات کا رخ کسی اوسمت کو ہے۔

حاصل کلام یہ کہ مدارس اسلامیہ کی علمی فضا کو بحال کرنے اور خارجی ریشہ دوانیوں سے ان کی حفاظت کے لیے ایک سے زائد جہت سے اصلاح ، منصوبہ بندی اور متحرک ہونے کی ضرورت ہے۔ مذکورہ معاملات کو لے کر ایک زمانہ سے لکھا اور بولا جارہا ہے مگر بے حسی کے بادل چھٹنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔ ☆☆☆

مدارسِ اسلامیہ انسانیت سازی کے بہترین گہوارے

از: مولانا محمد عبد الباری نعیمی اعظمی ، استاد مدرسہ عربیہ فیض نعیمی ، سریاپہاڑی ، اترولیا ، اعظم گڑھ

مدارس اسلامیہ انسانیت سازی کے بہترین گہوارے ، اسلامی تہذیب و ثقافت کے علم بردار ، مذہبی اقدار کے پاسبان ، تعلیمات قرآن و حدیث کے سچے محافظ ہیں ، مدارس اسلامیہ کی خدمات دینی ، ملی ، سماجی ، ثقافتی ، اقتصادی ، سیاسی اعتبار سے تمام شعبہ ہائے زندگی کو احاطہ کیے ہوئے ہے ، مدارس اسلامیہ کے ذریعہ پوری دنیا کے لوگوں کو اخلاص و محبت ، امن و سلامتی ، صلح و آشتی ، اخلاق و مروت ، بقائے باہم ، مذہبی رواداری ، حسن اخلاق ، حب الوطنی ، قومی یکجہتی ، شفقت و محبت ، ایثار و وفا کا درس دیا جاتا ہے ، مدارس ہی کے ذریعہ قابل قدر علما فضلا ، حفاظ ، قراء قاضی القضاۃ ، مفتیان عظام ، اور قائدین ، مصلحین کی مقدس جماعت تیار کی جاتی ہے ، اور یہ مقدس اور محترم جماعت اپنی قابل قدر صلاحیت کے اعتبار سے پوری دنیا میں خلوص و للّٰہیت کے ساتھ اپنی تمام تر توجہات انسانیت سازی پر مرکوز کردیتی ہیں۔

جب مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہوگیا تھا ، ہندوستان کی سرزمین جو آٹھ سو سال تک مسلمانوں کے زیر اقتدار تھی ، اس کا چراغ گل ہو گیا ، انگریز یہاں کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے تھے ، انگریزوں کی پوری توجہ مسلمانوں کے دلوں سے روح محمدی ﷺ ختم کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات و پیغامات ، تہذیب و ثقافت سے دور رکھنے پر مرتکز ہوگئی تھی ، ایسے وقت میں علمائے کرام اور فضلائے مدارس نے جگہ جگہ مدارس اسلامیہ کا قیام عمل میں لاکر اسلام و سنیت کی تحفظ کے ساتھ ساتھ مسلمانان ہند کے ایمان و عقائد کی حفاظت کا عظیم کارنامہ انجام دیا ، اورآزادی ہند کے لیے اپنی لازوال قربانیاں دینے میں بھی علمائے کرام پیش پیش تھے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی ، مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی ، مولانا عبد الجلیل علی گڑھی ، مفتی صدر الدین خان آزردہ دہلوی ، مفتی عنایت احمد کاکوروی ، مولانا فیض احمد عثمانی ، مولانا وہاج الدین مراد آبادی ،

مفتی فضل الرسول عثمانی، مولانا عبد القادر بدایونی مفتی ارشاد حسین رام پوری، مولانا جمال فرنگی، مولانا ہدایت اللہ رام پوری، مولانا احمد حسین کانپوری، مولانا رشید الدین دہلوی، مولانا قطب الدین دہلوی، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا برکت اللہ بھوپالی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر مدارس اسلامیہ ہی کے تربیت یافتہ اور پروردہ تھے، جنھوں نے ملک کی آزادی کی خاطر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرکے قومی یکجہتی اور حب الوطنی کی عظیم مثال قائم کی۔ ان کی قربانیوں کو کسی بھی حال میں فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان آزاد ہوا تو اس کے پیچھے بلا تفریق مذہب وملت تمام باشندگان ہند کی قربانیاں کارفرما تھیں، اگر ایک طرف گاندھی تھے تو دوسری طرف مولانا محمد علی جوہر، اگر ایک طرف پنڈت جواہر لال نہرو تھے، تو دوسری طرف مولانا ابوالکلام آزاد تھے، اگر ایک طرف چندر شیکھر آزاد تھے، تو دوسری طرف اشفاق اللہ خان تھے، آزادی کے بعد جب کبھی بھی ملک کی روح کو مجروح کرنے کی ناپاک جدوجہد کی گئی تو بلا تفریق مذہب وملت علمائے کرام سینہ سپر رہے۔

ہندوستان کی شناخت دنیا میں کثیر الآبادی والے ملک کے بطور ہوتی ہے، جہاں مختلف مذاہب کے متبعین الگ الگ تہذیب وثقافت کی علمبردار رہتے ہیں، ہندوستان کی مشترکہ ثقافت کی جڑیں اتنی مضبوط اور مستحکم ہیں، کہ یہاں مختلف ممالک کے لوگوں نے حکومت کی مگر کوئی بھی اس ملک کی تہذیب اور ثقافت کی اثاثے کو منتشر کرنے میں کامیاب نہیں ہوا، آج اگر ہمارے ملک ہندوستان میں بقائے باہم، گنگا جمنی تہذیب، مذہبی آزادی، قومی، ملی، مذہبی شعور، حسن اخلاق، رحمدلی کا جذبہ، غمگساری اور رواداری کا احساس اور اسلامی تشخص برقرار ہے، تو یہ مدارس اسلامیہ اور اس کے فارغین کی مرہون منت ہے، جنھوں نے اپنی تمام تر آرائش و زیبائش، کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، محض اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے حصول کی خاطر قرآن وحدیث کے مطابق علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت، ترویج وترقی پر اپنی تمام تر توانائی کو وقف کردی، نیز تدریسی، تحریری، تقریری اعتبار سے ملک ملت کی بھرپور ترجمانی کی ہے، ملک وملت کی تعمیر وترقی، تحفظ وبقا میں مدارس نے جو نمایاں اور اہم کارنامہ انجام دیا ہے، وہ اظہر من الشمس ہے، دیگر کسی مستقل ذرائع اور وسائل کے تہی دست ہونے کے باوجود قومی، دینی، ملی، سماجی، سیاسی، معاشی، اقتصادی، ثقافتی میدانوں میں مدارس نے وہ لائق احترام افعال انجام دیے ہیں، جس کا موازنہ دنیا کی کسی تنظیم سے نہیں کیا جاسکتا، اس کا دائرہ محدود نہیں، جس کا اعتراف ملک کے سیکولر شخصیتوں نے علی الاعلان کیا ہے۔

ایک موقع پر ہندوستان کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ علمائے کرام جو مدارس اسلامیہ کے پروردہ ہیں، ہندوستان کی آزادی کے حصول کے لیے جو تحریک شروع کی تھی، اس کے باعث باشندگان ہند کے دلوں میں آزادی کے حصول کا جذبہ موجزن ہوا، انہیں کی کوششوں کی بدولت ہندوستان آزاد ہوا۔

مدارس اور مسلمانوں نے ہندوستان کو بہت کچھ دیا ہے، ہندوستان پر مدارس کے گہرے اثرات مرتب ہیں۔

سماجی کارکن پنڈت این اے شرما نے مدارس کی خدمات کے تعلق سے کہا کہ:

ملک ہندوستان کو قوی اور مستحکم کرنے میں مدارس اسلامیہ کے تربیت یافتہ لوگوں کا اہم کردار رہا ہے، مدارس عربیہ دینیات اور اخلاقیات کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ نوجوانوں میں مثبت فکر پیدا کرتے ہیں۔

لیکن آج کا المیہ یہ ہے کہ جو اخلاص اور محبت، قومی یکجہتی، حب الوطنی، وفا شعاری کے ساتھ ملک اور قوم کے لیے مر مٹنے کا جذبہ رکھتے ہیں، انہیں احساس کمتری میں مبتلا کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، جمہوری ملک ہندوستان میں کچھ فرقہ پرست اور شرپسند عناصر اپنی شرانگیز اور نفرت سے پر شعلہ بیانی کے ذریعہ اپنا الو سیدھا کرنے میں لگے ہیں، انہی لوگوں کی وجہ سے بقائے باہم، اخوت ومحبت، گنگا جمنی تہذیب اور ملک کی بقا اور سالمیت کو خطرات لاحق ہورہے ہیں، ملک کے سیکولر سانچے اور ڈھانچے کو درہم برہم، سماج سوسائٹی اور معاشرے میں نفرت کو فروغ دینے میں کلیدی رول ادا کیا ہے، مدارس اسلامیہ کے تعلق سے لوگوں کے قلوب واذہان میں غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں، بے بنیاد اور من گھڑت الزامات عائد کرکے مدارس کو بدنام کرنے کی کوشش کی جارہی ہیں، جو ملک کی روح کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔

☆☆☆☆

منظوم سوانح تاج الشریعہ

تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

نام کتاب: منظوم سوانح تاج الشریعہ
مصنف: محمد اشرف رضا قادری
صنف: شاعری
اشاعت: بموقع عرس صد سالہ امام احمد رضا و تیسرا عرس امین شریعت
صفحات: ۹۶
قیمت : ۵۰
ناشر: تحریک امین شریعت، بریلی شریف

اردو ادب کے ذخائر میں سوانح عمریوں کا ایک معتد بہ اثاثہ موجود ہے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد جب انگریزی ادبیات کے زیر اثر اردو ادب ایک نئے اور گوناگوں خصوصیات کے حامل دور میں قدم رنجہ ہوا تو دیگر اصنافِ ادب کی طرح سوانح عمری کو بھی بطور صنف سخن کافی فروغ حاصل ہوا۔ خصوصاً عربی اور فارسی سے اردو میں سیرت النبی ﷺ قلم بند کرنے کی روش سوانح عمری کے تاریخی ارتقا کی عمدہ مثال بنتی گئی۔ اس کے علاوہ بھی دیگر مشہور شخصیات کی سوانح بھی سوانح نگاری کے فن کے ارتقائی مراحل کی مثالیں ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں کہ اکثر سوانح عمریاں اصلاحی، قومی اور تبلیغی جذبے کو مد نظر رکھ کر لکھی گئیں اور سوانح نگار کو ادبی چاشنی اور فنی آہنگ سے زیادہ مقصدیت عزیز رہی۔ گو کہ اُس دور میں لکھی جانے والی بیشتر سوانح عمریوں کے مطالعے سے صاحب سوانح کے کوائف سے آگاہی تو ہوتی ہی ہے ساتھ ساتھ اس عہد کے سماجی، معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی حالات کی عکاسی بھی ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

موجودہ صدی کے آغاز میں سوانح نگاری کا فن ایک اہم تبدیلی سے آشنا ہوا۔ غلام رسول مہر، قاضی عبدالغفار، مالک رام اور ابو سعید قریشی وغیرہ نے اس فن کو نہ صرف ایک جداگانہ اور مستقل صنف عطا کی بلکہ مقصدیت کے بجائے ادبیت کو مطمح نظر بنایا۔ ان حضرات نے اپنے ممدوح کے خاندانی، سماجی اور تہذیبی حالات کا ہی تجزیہ نہیں کیا بلکہ اس کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیات اور فکر و فن کی نقاشی بھی کی۔ اسی دور میں عربی اور فارسی قصائد، طویل رزمیہ نظموں اور سوانح عمریوں سے متاثر ہو کر اردو میں منظوم سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ خیر بھی جاری ہوا۔ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے روشن پہلوؤں کو اجالتے ہوئے بہت سارے شعرا و ادبا نے منظوم سیرت نگاری کرتے ہوئے اردو ادب کے ذخیروں میں اضافہ کیا۔ عقیدت و ارادت مندی کے چلتے بیشتر شعرا منظوم سیرت النبی ﷺ کے ساتھ ساتھ صحابہ، اولیا، مشائخ طریقت اور اساتذہ کی منظوم سوانح عمری کی طرف بھی راغب ہوئے جس کے نتیجے میں منظوم سوانح عمری کا ایک مستقل سلسلہ چل پڑا اور کافی اچھے اور عمدہ شعری و فنی خوبیوں سے مالامال منظوم سوانح کے کئی نمونے سامنے آئے۔

اس وقت میرے مطالعے کی میز پر مولانا محمد اشرف رضا قادری (مدیر اعلیٰ سہ ماہی امین شریعت) کی تازہ کاوش "منظوم سوانح تاج الشریعہ" سجی ہوئی ہے اور یہی آج میری تبصراتی کاوش کا عنوان ہے۔ مولانا محمد اشرف رضا قادری اس وقت اپنی عمر کی تیسویں بہار سے گزر رہے ہیں، مبصران کی عمر دیکھتا ہے اور ان کی زنبیل حیات میں جگمگاتے ہوئے علمی اثاثوں پر نظر ڈالتا ہے تو متحیر رہ جاتا ہے۔ موصوف کا اشہب قلم نثر و نظم دونوں ہی میدانوں میں سرپٹ دوڑتے ہوئے اپنی فتوحات کے پرچم گاڑ رہا ہے۔ سہ ماہی امین شریعت کی ادارت کی ذمہ داری وہ بہ حسن و خوبی نبھا رہے ہیں، آپ کے موئے قلم سے نکلنے والے اداریے عصری حسیت سے مملو قوم و ملت کو انقلابی بیداری کا پیغام دیتے ہیں۔ "امین شریعت نمبر" (صفحات ۷۰۴) کی ترتیب و تدوین، "تصانیف تاج الشریعہ نمبر" (صفحات ۶۰۰) جیسے منفرد موضوع پر گراں قدر علمی پیش کش، "مقالات امین شریعت" (صفحات ۱۹۳) کی آرایش و زیبایش، تین سو تیرہ اشعار پر مشتمل "منظوم سوانح امین شریعت" (صفحات ۱۱۲) کا عقیدت مندانہ شعری و فنی اظہاریہ، "اعلیٰ حضرت اعلیٰ کیوں؟" (صفحات ۷۳) جیسا اہم تحقیقی مقالہ، "سنی اور وہابی عقیدے کے آئینے میں" (صفحات ۳۲) اصلاحِ فکر و اعتقاد کے لیے مساعی جمیلہ، "اے عشق تیرے صدقے" (نعتیہ مجموعہ صفحات ۲۰۰) مدحتِ مصطفی ﷺ کی لہلہاتی فصل بہاراں اور "منظوم سوانح تاج الشریعہ" (صفحات ۹۶) تاج

Mushhidrizvi79@gmail.com

الشریعہ جیسی متنوع صفات شخصیت کو خراج عقیدت اور منظوم سوانح کے باب میں اک عمدہ اضافہ کے علاوہ زیر ترتیب تصنیفات و تالیفات کی ایک الگ طویل فہرست ہے۔ نثر ہو یا نظم دونوں ہی میدانوں میں محمد اشرف رضا قادری ایک پختہ کار قلم کار کے روپ میں اپنی مستحکم اور توانا شناخت بنانے میں کامیاب دکھائی دے رہے ہیں۔

پیش نظر ”منظوم سوانح تاج الشریعہ“ ۲۴۶/ اشعار پر مشتمل فخر ازہر مرشد طریقت تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری برکاتی ازہری بریلوی نور اللہ مرقدہٗ کی منظوم سوانح عمری ہے۔ حضور تاج الشریعہ کی وفات حسرت آیات نے پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ان کے عقیدت مندوں کو غم و آلام میں مبتلا کر دیا۔ آپ کا وصال عالم اسلام کا ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی ناممکن دکھائی دیتی ہے۔ آپ کے وصال کے بعد مختلف شعرا و ادبا نے اپنے اس مرکز عقیدت کی بارگاہ میں نظم و نثر کے حوالے سے خراج عقیدت پیش کیا، مختلف رسائل و جرائد اور اخبارات نے خصوصی گوشے شائع کیے۔ مولانا محمد اشرف قادری نے اپنی ارادت اور عقیدت مندی کا ثبوت کچھ یوں پیش کیا کہ اس میں انھیں یک گونہ انفرادیت حاصل ہوگئی، نثر میں چھے سو صفحات کو محیط ”تصانیف تاج الشریعہ نمبر“ جیسا علمی گل دستہ خوان مطالعہ پر سجایا اور نظم میں دو سو چھیالیس اشعار پر مشتمل ”منظوم سوانح تاج الشریعہ“ میں اپنی عقیدت و ارادت کے ساتھ ساتھ شاعرانہ رفعتوں کے حسین و جمیل جلوے بکھیرے۔

نثر میں کسی شخصیت کی سوانح قلم بند کرنا نظم کی بہ نسبت خاصا آسان کام ہے۔ نثر میں میدان کافی کشادہ ہوتا ہے جب کہ نظم کے تنگنائے میں شاعر پر بحور و اوزان کی پابندیوں کے ساتھ ساتھ شعری و فنی خوبیوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے آسان پیرایۂ بیان میں سادگی و سلاست سے مافی الضمیر کو ادا کرنے کا تقاضا بھی ہوتا ہے خصوصًا جب کسی ایسی شخصیت کی سوانح قلم بند کی جا رہی ہو جو خواص کے ساتھ ساتھ عوام کے بھی مرجع و مرکز ہوں۔ اس لحاظ سے علم و فضل کے جبل شامخ متنوع خوبیوں کی حامل ذات حضور تاج الشریعہ کی حیات و خدمات کے باب میں ”منظوم سوانح تاج الشریعہ“ کو صفحہ قرطاس پر بکھیرتے وقت مولانا محمد اشرف رضا قادری کو یقینا بے پناہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سوانح میں وہ حصے شامل نہیں ہیں جن کا تعلق خالص تحقیق و تدقیق سے ہے۔ لیکن مجھے مولانا اشرف رضا قادری کی فکری اٹھان اور قادر الکلامی کو داد و تحسین کے گل بوٹے پیش کرنے میں کوئی باک نہیں کہ انھوں نے اپنے ممدوح کی اتنی طویل منظوم سوانح عمری وہ بھی ان کی جاں گداز رحلت کا غم و الم سینے سے لگائے ان کے عرس چہلم سے قبل ہی خوب صورتی کے ساتھ منظوم کر دی۔ حیات تاج الشریعہ کے مختلف گوشوں کو اس شاعرانہ مہارت اور خوبی سے سجایا کہ قاری کے قلب و دماغ پر حضور تاج الشریعہ کا حسین و جمیل نقش اور ان کی زندگی کا روشن عکس جگمگ جگمگ کرنے لگتا ہے۔ ذیل میں چند متفرق اشعار نشانِ خاطر کریں اور وقت کے عظیم ولی، قائد، فقیہ، محدث، مدبر، مفسر، مصلح، ادیب شاعر اور صاحب دل بزرگ کے افکارِ عالیہ کے جلوۂ جہاں آرا میں کھو جائیے۔

مچلتا شوق ہے دل میں مرے مدحت نگاری کا
مجھے ہے حوصلہ باغِ سخن کی حسن کاری کا

بشکل نظم یہ مدحت ولی ابن ولی کی ہے
سوانح حضرت اختر رضا خاں ازہری کی ہے

وہ شہرت کے فلک پر مثل انجم جگمگاتے ہیں
نہ جانے کتنے ذرے ان کے در سے فیض پاتے ہیں

بریلی جب وہ پڑھ کر مصر سے تشریف لائے تھے
تو استقبال کو ان کے ، ہزاروں لوگ آئے تھے

بریلی ریلوے جنکشن پہ آئے مفتیِ اعظم
بڑا ہی دید کے قابل تھا ان کی دید کا موسم

سراپا خوش بیانی کے وہ اک پیکر نظر آتے
لب و لہجے میں وہ ہر ایک سے برتر نظر آتے

رکھا پیش نظر اسلام کے زریں اصولوں کو
نہ کمھلانے دیا اخلاق کے شاداب پھولوں کو

مسلسل ملت اسلامیہ کی پاسبانی کی
خیالاتِ امام احمد رضا کی ترجمانی کی

مگر افسوس صد افسوس وہ دن بھی تو آنا تھا
کہ ہم سب سے جدا ہو کر انھیں دنیا سے جانا تھا

”منظوم سوانح تاج الشریعہ“ کی سب سے اہم خوبی اس کے شعر شعر میں موجزن بلا کی روانی ہے۔ سلاست کی لہریں ایسی پر جوش ہیں کہ قاری پڑھتے ہوئے ذرا بھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرے گا، جب تک پوری کتاب ختم نہ کر لے اسے کتاب رکھنے کا احساس نہیں ہوگا، بلکہ ایک بار مطالعے کے بعد دوبارہ پڑھنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگے گی، یہ خود مبصر کا اپنا ذاتی تجربہ ہے۔ بہ قول مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی: ” بلاشبہ مصنف نے تخیل کے خوب صورت تانے بانے کو بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ وزن اور بحر کی لَے کے ساتھ خوب صورت موتیوں کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ جس کا ایک ایک دانہ دل کو لبھاتا ہے، نگاہوں کو خیرہ کرتا ہے اور قلب و ذہن کو راحت و سکون پہنچاتا ہے۔“ (ص ۲۷)

مولانا اشرف رضا قادری نے اپنی اس طویل نظم میں عام بول چال، روزمرہ اور سادہ الفاظ کا بڑی حسن وخوبی سے استعمال کیا ہے۔ اب ایسا بھی نہیں کہ سادہ لفظیات کے انسلاک میں شعریت اور ادبیت کی چاشنی مفقود ہوگئی ہے بلکہ کہیں کہیں بولتی چمکتی اور دمکتی تراکیب نے نظم میں جو دلکشی اور جمالیاتی حسن بڑھادیا ہے وہ قابل دید و شنید ہے۔ تصویریت کا حسن اور منظر کشی کا جمال بڑا دل کش اور حسین وجمیل ہے؛ ذیل کے مصرعے بڑے کیف آگیں، پرلطف اور شعری حسن وجمال اجالتے ہوئے شاد کام کررہے ہیں۔

ع مجھے ہے حوصلہ باغِ سخن کی حسن کاری کا
ع تخیل باوضو رکھتے ہوئے پرواز کرتا ہوں
ع ہمیشہ کے لیے نقشِ قلم ضَوبار کرتا ہوں
ع معطر وادیِ افکار کرنا میرا مقصد ہے
ع بدست خود عقیدت کا محل تعمیر کرتا ہوں
ع وہیں پر علمی ، فکری ، ذہنی آرایش ہوئی ان کی
ع لٹاتے خطے خطے میں معارف کے گہر آئے
ع بڑا ہی دید کے قابل تھا ان کی دید کا موسم
ع دماغوں کو وہ تازہ قوتِ تفہیم دیتے تھے

درج بالا مثالوں سے مولانا اشرف رضا قادری کی زبان دانی اور لفظ و بیان پر مضبوط گرفت اور عمدہ دسترس کا واضح اشاریہ ملتا ہے۔

مولانا اشرف رضا قادری نے اپنے ممدوح کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے نہیں ملائے ہیں بلکہ حقائق کے بیان میں صداقت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا ہے کہیں بھی تصنع اور بناوٹ کی اداکاری کا شائبہ نہیں گزرتا اور نہ ہی بے جا مبالغہ آرائیوں اور غلو واغراق سے کام لیا گیا ہے۔ علم وفضل کے کوہ گراں حضور تاج الشریعہ کی ہمہ گیر وہمہ جہت شخصیت کی خصوصیات کو محض ۲۴۶ر اشعار میں پیش کرنا نہایت مشکل امر ہے، بہرکیف! فاضل مصنف نے آپ کی اہم اور نمایاں خوبیوں کو بڑی دل کشی اور سنجیدگی ومتانت کے ساتھ شعری حسن وجمال سے آراستہ ومزین کیا ہے۔ کتاب چوں کہ خواص سے زیادہ عوام کو سامنے رکھ کر لکھی گئی معلوم ہوتی ہے اس لیے علمیت کا رنگ بہت زیادہ نظر نہیں آتا لیکن حضور تاج الشریعہ کی زندگی کے شب و روز کو بیان کرتے ہوئے جب مصنف آپ کی ان خصوصیات کو پیش کرتے ہیں جو عوام کے لیے کارآمد اور مفید ہیں مثلاً نمازوں کی پابندی اور جماعت کا اہتمام وغیرہ تو بے ساختہ دل سے داد وتحسین کے کلمات بلند ہونے لگتے ہیں۔ اس لحاظ سے مولانا اشرف رضا قادری کی مرقومہ ”منظوم سوانح تاج الشریعہ“ اصلاحی، پیغامی اور آفاقی رشتوں سے ہم آہنگ ہوجاتی ہے۔

سفر میں یا حضر میں جب کبھی وقت نماز آتا
مصلیٰ بندگی کے واسطے حضرت کا بچھ جاتا
نمازیں باجماعت وہ ادا کرتے تھے مسجد میں
وہ سنت اور واجب بھی پڑھا کرتے تھے مسجد میں

مولانا اشرف رضا قادری نے حضور تاج الشریعہ کی حیات تابندہ کا بیان خانوادۂ اعلیٰ حضرت کی آفاقی خدمات کے تناظر میں کیا ان کی ولادت، بچپن، پرورش، تسمیہ خوانی، تعلیم وتربیت، والدین کی شفقت، حضور مفتیِ اعظم کی عنایت، درسیات کی تکمیل، سفرِ مصر، مصر سے واپسی، استقبالیہ کی دل آویز منظرکشی، مسند افتا پر رونق افروزی، فقہی بصیرت، تصلب فی الدین، شریعت پر استقامت، تاریخی واقعات، تصنیف وتالیف، سفر وحضر، وعظ و ارشاد، تزکیۂ نفس، اصلاح باطن، شعروسخن سے لگاؤ، مسائل کے حل کے لیے جدید وسائل کا استعمال، درس وتدریس، مدارس ومکاتب کا قیام، قائدانہ اصابت فکر، سفر حرمین، مختلف ممالک کے تبلیغی اسفار کے علاوہ حضور تاج الشریعہ کی دیگر نمایاں خصوصیات اور وفات حسرت آیات، تجہیز وتکفین کا کربیہ بیان مولانا اشرف رضا قادری کے زرنگار قلم نے بڑی چابکدستی اور مشاقی کے ساتھ فنی التزام اور ادبی محاسن کے انسلاک سے کیا ہے۔

”منظوم سوانح تاج الشریعہ“ کی سب سے اہم خصوصیت حضور تاج الشریعہ کی حیات سے متعلق مختلف روایتوں کے مابین صحیح روایت کو احسن انداز میں بیان کرنا ہے، ایسے موقع پر آپ کی شعری مہارت خوب نمایاں ہوتی ہے، شگفتگی اور پختگی کے ساتھ قلم بند کیے گئے یہ اشعار خاطر نشین کریں۔

ولادت تیرہ سو اکسٹھ ہے ہجری چودہ ذی قعدہ
کسی نے تیرہ سو اکسٹھ صفر پچیس ہے لکھا
انہی دونوں میں کوئی آپ کا یوم ولادت ہے
یہی ”یونس رضا مونس اویسی“ کی روایت ہے

علاوہ ازیں دیگر تاریخی واقعات کو بھی مصنف نے نہایت آسانی کے ساتھ حسین پیرایۂ اظہار میں قلم بند کیا ہے، حضور تاج الشریعہ کو حضور مفتی اعظم کا خلافت عطا کرنے کا واقعہ ایک اہم اور تاریخی واقعہ ہے اس واقعے کو مصنف نے اس انداز سے بیان کیا ہے۔

تھا پندرہ جنوری انیس سو باسٹھ کا پیارا دن
عجب تھی نور کی برسات ساری رات سارا دن
عمامہ مفتی اعظم نے باندھا اپنے اختر کو
دعائیں دے رہے تھے اہل محفل فخر ازہر کو

ان اشعار میں مولانا اشرف رضا قادری کے موے قلم نے دو تاریخی واقعات کو کتنی آسانی کے ساتھ سمو دیا ہے، ایک مفتی اعظم قدس سرہٗ سے خلافت کا شرف دوسرا مادر علمی جامعہ ازہر سے ”فخر ازہر ایوارڈ“ کا ذکر- یہ دونوں تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی زندگی کے دو اہم ترین واقعات ہیں انھیں اس طرح دو اشعار میں جمع کر دینا مصنف کے زبان و بیان پر قدرت کا دل کش اظہار یہ ہے۔

عالم اسلام کی ایک اہم اور پر وقار شخصیت کی باوقار منظوم سوانح عمری کے وقار کو مفتی محمد سلمان رضا خاں قادری، مولانا عسجد رضا خاں قادری، مولانا سید محمد حسینی اشرفی کی تقاریظ نے مزید چار چاند لگا دیا ہے ۔ خصوصًا محب گرامی وقار ادیب شہیر مولانا غلام مصطفی نعیمی کا مرقومہ ” تیری حیات کا ہر ایک ورق روشن ہے“ بڑے خاصے کی چیز اور معلومات سے پُر ہے۔ مولانا ابوالحسنین سید آل رسول عبد القادر جیلانی صاحب، ممبئی نے بھی اپنا گراں قدر تاثر پیش کرتے ہوئے اس کتاب کو سند امتیاز عطا کی۔ میرے بے حد کرم فرما ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجد نے ۳۲/ اشعار پر مشتمل فارسی میں ” منظوم تقدیم “لکھی جو بڑی متاثر کن اور سلاست و روانی کا آئینہ دار ہے۔ اسی طرح استاذ الشعراء جماعت اہل سنت کے زود نویس و زود گو شاعر گرامی وقار مولانا سلمان رضا فریدی کا مرقومہ ۴۴/ اشعار پر مبنی ”منظوم تاثر“ عقیدت کا والہانہ اور بولتا چمکتا دمکتا اظہار یہ تو ہے ہی ساتھ ہی اصاغر نوازی کا عمدہ ثبوت بھی جوان کی ایک نرالی شان ہے۔

حضور تاج الشریعہ کے وصال کے بعد آنے والی کتابوں کے گلہائے رنگارنگ میں ” منظوم سوانح تاج الشریعہ “ایک قابل تحسین اور منفرد کارنامہ ہے۔ یہ نہ صرف تاج الشریعہ کی حیات و خدمات کے باب میں ایک دل کش اضافہ ہے بلکہ اردو ادب کے گلیاروں میں بھی ایک بہترین تحفے سے کم نہیں۔ اہل محبت کے ساتھ ساتھ شعر و سخن سے دلچسپی رکھنے والے اہل نقد و نظر سے اس کتاب کے مطالعے کی بھرپور سفارش کی جاتی ہے ۔ دیدہ زیب سرورق، بہترین کمپوزنگ، عمدہ کاغذ اور مضبوط بائنڈنگ والی اس کتاب کی قیمت صرف ایک سو پچاس روپے ہے، جسے تحریک امین شریعت رائے پور، چھتیس گڑھ سے باآسانی حاصل کیا جا سکتا ہے، جس کا رابطہ نمبر یہ ہے:۹۸۳۷۸۱۷۷۲۶

راقم مولانا اشرف رضا قادری کو نہایت قلیل مدت میں شعری محاسن سے لبریز، فکر و تخیل کی بلندی سے آراستہ، تراکیب و محاورات سے مزین، دل کش لفظیات کا نگار خانہ سموے ہوئے عقیدت و محبت کی والہانہ وارفتگی کے باوصف محتاط رویوں کی حامل اس خوب صورت کتاب کی اشاعت پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے، دعا ہے کہ اللہ کریم مصنف کو شاد و آباد رکھے اور وہ یوں ہی ہمیں نت نئے علمی ذخائر سے نوازتے رہیں، آمین !☆☆

(ص:۳۴/ کا بقیہ) اب حضرت یاسر کی باری تھی انہوں نے یہ نعرہ نہیں لگایا، ظالموں نے انہیں بھی شہید کر دیا۔ اب حضرت عمار کی باری تھی۔ اپنی نگاہوں کے سامنے اپنے والدین کا حشر دیکھ چکے تھے۔ ان پر جان جانے کا خوف طاری ہوا اور انہوں نے ان باطل خداؤں کی جے پکار دی۔ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ سہمے ہوئے تھے۔ آنسوؤں کا سمندر رواں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عمار کیا ہوا؟ عرض کیا: حضور! میں نے آپ کی شان میں بھی گستاخی کر دی اور باطل خداؤں کی بھی جے کار کر دی۔ ارشاد ہوا: عمار! دل کا کیا حال ہے؟ عرض کیا: حضور! دل تو ایمان پر مطمئن ہے۔

نبی رحمت ﷺ نے بجائے ملامت کرنے کے حضرت عمار کو محبت و رحمت کے ساتھ پھر سے اجازت دے دی: عمار! اگر یہ ظالم پھر سے یہ ظلم ڈھائیں تو پھر سے تم کو اس ظاہری کفر کی اجازت ہے۔ قرآن پاک کی آیت کریمہ نازل ہوئی:

(ترجمہ) جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے سوائے اس آدمی کے جسے (کفر پر) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جمع ہوا ہو لیکن وہ جو دل کھول کر کافر ہوں ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

یعنی حالت مجبوری میں، دل اگر ایمان پر قائم ہے تو زبان سے کفری کلمات ادا ہو جانا، قابل مواخذہ نہیں! آج ہندوستان میں پھر سے اس مکی دور کی آمد ثانی ہو چکی ہے ۔آج اہل ایمان کو پھر سے اس رخصت کی اجازت ہے۔ مسلمان اپنے دلوں کو ایمان سے لبریز رکھیں اور ظاہری طور پر مجبوری میں کفر بول کر اگر اپنی جان بچانے کا موقع ملے تو بچائیں: کیوں کہ مسلمان کی جانیں بہت قیمتی ہیں شریعت کی وسعت میں ان کے جان و ایمان دونوں کے تحفظ کا راستہ موجود ہے حضرت عمار کا اسوہ مسلمانوں کے لیے رہبر ہے اور نبی رحمت ﷺ کے کلمات محبت ان کے لیے تسلی و تسکین کا سامان ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہم تمام مسلمانوں کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت فرمائے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

حوالاجات: (۱)- القرآن: سورہ انعام:۶، آیت:۱۲۹۔ (۲)- قرطبی شریف: ج:۴، ص:۶۲ (۳)- کنزالعمال: کتاب الاخلاق، قسم الاقوال الظلم والغضب، ج: ۲ ص:۲۰۲، الحدیث:۷۶۲۱ ۔ کنزالعمال میں ظالموں کی پکڑ میں کئی احادیث موجود ہیں، ۵۸۲۳، ۷۵۹۴ ۔ (۴)- القرآن: سورہ بقر۲، آیت: ۲۱۴۔ (۵)- القرآن: سورہ نحل۱۶:، آیت:۱۰۶۔

نعت و منقبت

پرتوِ نورِ الٰہی ہے جمالِ مصطفٰے

دل میں ہے یاد خدا سر میں خیال مصطفٰی
اے خوشا قسمت کہ حاصل ہے وصال مصطفٰی

فرش سے تا عرش ہے حدِّ کمالِ مصطفٰے
اللہ اللہ! وسعتِ جاہ و جلالِ مصطفٰے

ذرّے روشن، مہر و مہ تابندہ، انجم نور بیز
چھا گیا کونین پر عکسِ جمالِ مصطفٰے

سینۂ صدیق میں ہے مستتر اک رازِ حق رازِ
حق کیا ہوگا اے دل جُز جمالِ مصطفٰے

وجہِ تخلیقِ دو عالم وجہِ اسرارِ ازل
پرتوِ نورِ الٰہی ہے جمالِ مصطفٰے

شمسؔ! بوبکر و عمر زاں بعد عثمان و علی
ہیں یہ چاروں مظہرِ عکسِ جمالِ مصطفٰے

شام فرقت میں اجل اے شمسؔ جب آئے مجھے
سامنے آنکھوں کے ہو صبحِ جمالِ مصطفٰے

از: شمسؔ شاہجہاں پوری

منقبت

در شان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعمیرِ فنا حمزہؔ، تعمیرِ بقا حمزہؔ
قرطاسِ شجاعت پر تحریرِ وفا حمزہؔ

یوں بدر کی وادی میں کفار کو للکارا
باطل کو ڈراتی ہے اب بھی وہ ندا حمزہؔ

سرکار نے بخشا تھا پرچم جو قیادت کا
لہراتا ہے عالم میں اب بھی وہ لِوا حمزہؔ

کیا شان تمھاری ہے، کیا رعب تمھارا ہے
سرکارِ دو عالم کے محبوب چچا حمزہؔ

بیباک تری ہستی، غیّور تری فطرت
جاں باز ہے دل تیرا اے شیرِ خدا حمزہؔ

سرداری تمھیں حاصل ہے سارے شہیدوں کی
یوں حق کی حفاظت میں کی جان فدا حمزہؔ

اللہ نے فرمایا سرکار سے "لا تحزن"
غم تیری شہادت کا کچھ ایسا ہوا حمزہؔ

احسان نہ بھولے گا میدانِ احد تیرا
ہے اس کی شبِ جاں میں اب تیری ضیا حمزہؔ

کونین منور ہے سیرت کی تجلی سے
اے زیبِ سخا حمزہؔ، اے کانِ حیا حمزہؔ

شاہد ہے ترا روضہ سرکار کی آمد کا
خود آ کے شہِ عالم دیتے تھے دعا حمزہ

اسلام کے دشمن پر طاری ہے تری ہیبت
کردار و عمل تیرا باطل کی قضا حمزہؔ

تم شمعِ نبوت کے پروانوں کے قائد ہو
قدموں میں جھکے ہیں سب، اربابِ رضا حمزہ

جس شخص کے سینے میں روشن ہے تری الفت
کیا اس کو ڈرائیں گے یہ اہلِ جفا حمزہؔ

جرأت کے ستاروں سے پر نور ڈگر تیری
ہر لمحہ دفاعِ حق، مشرب ہے تِرا حمزہؔ

تاریخ نہ بھولے گی اے مردِ جری تجھ کو
چلتی ہی رہے گی اب یادوں کی صبا حمزہؔ

خورشیدِ نبوت سے آئی ہے چمک تجھ میں
مدھم نہ کبھی ہوگا اب تیرا دیا حمزہ

افکار سنور جائیں، الفاظ نکھر جائیں
اشعار پہ کر دیجے اک چشمِ عطا حمزہؔ

ہر دشمنِ ملت پر غالب ہو فریدیؔ بھی
پہنائیے اب اس کو نصرت کی قبا حمزہؔ

از: **محمد سلمان رضا فریدی مصباحی**، مسقط (عمان)

وفیات

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں حضرت مفتی حبیب یار خاں نوری کے لیے تعزیتی اجلاس

از: رحمت اللہ مصباحی، نمائندہ روزنامہ انقلاب، لکھنؤ

خلیفۂ مفتیِ اعظم ہند، مفتیِ مالوہ حضرت علامہ مفتی محمد حبیب یار خان قادری نوری بڑی خوبیوں کی جامع شخصیت تھے، علم و فضل، امانت و دیانت اور تقویٰ شعاری میں ان کا مقام بہت بلند تھا، حسنِ اخلاق، خدمتِ دین و سنیت اور دعوت و تبلیغ میں اپنی شناخت رکھتے تھے، عوام و خوص دور دور تک اپنے معاملات میں ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ وہ تدریس، تعمیر اور فتویٰ نویسی میں بھی منفرد پہچان رکھتے تھے، افسوس صد افسوس یکم جولائی ۲۰۱۹ء کو صبح آٹھ بج کر ۴۵ر منٹ پر ان کا وصال پر ملال ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ باتیں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے عزیز المساجد میں یکم جولائی ۲۰۱۹ء بعد نمازِ عشاء ارشاد فرمائیں۔ آپ نے مزید فرمایا:

حضرت مفتیِ مالوہ بلند پایہ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین تھے، آپ نے دار العلوم نوری، اندور میں بڑی تاریخی خدمات انجام دیں۔ آپ کے تلامذہ اور عقیدت کیش ملک اور بیرون ملک پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ چند برس قبل مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا سالانہ فقہی سیمینار ان کے زیر، اہتمام ہوا تھا اور آخر میں ایک تاریخی اجلاس عام بھی ہوا تھا، اس میں بھی ہمیں شرکت کا موقع نصیب ہوا تھا۔ جہاں تک ہماری معلومات ہے، قیام و طعام کا بھی آپ کے ادارے نے معقول اہتمام فرمایا تھا۔

آپ نے مزید فرمایا کہ آپ علیہ الرحمہ کا تعلق بریلی شریف سے بھی بڑا گہرا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز، سرکار مفتیِ اعظم ہند اور حضور تاج الشریعہ سے بھی بڑا گہرا عقیدت مندانہ رشتہ رہا ہے۔

نظامت کے فرائض حضرت مولانا مفتی زاہد علی سلامی استاذ جامعہ اشرفیہ نے انجام دیے۔ آپ نے بھی طلبہ کو مخلصانہ نصیحتوں سے سرفراز فرمایا اور حضرت علامہ مفتی محمد حبیب یار خاں رضوی نوری علیہ الرحمہ کی شخصیت پر روشنی ڈالی اور گہرے رنج و غم کا اظہار فرمایا۔ آخر میں حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی استاذ جامعہ اشرفیہ کو مدعو فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا حبیب یار خاں قادری نوری علیہ الرحمہ نے شاہ بانو کیس میں بڑا کلیدی کردار نبھایا تھا، آپ نے ہی محترمہ کو اپنا کیس واپس لینے کی تفہیم فرمائی تھی اور انھوں نے باضابطہ اپنا کیس واپس لیا تھا۔ آپ نے قریب اٹھارہ سو طلبہ اور موجود اساتذہ سے ایک بار سورہ فاتحہ اور تین تین بار سورہ اخلاص پڑھوا کر باضابطہ ایصالِ ثواب کرایا اور خاص طور پر حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی بخشش و مغفرت کی دعا فرمائی۔ پروگرام میں حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری، حضرت مولانا حسیب اختر مصباحی، حضرت مولانا ساجد علی مصباحی، حضرت مولانا محمد ہارون مصباحی اساتذۂ جامعہ اشرفیہ وغیرہ کثیر اساتذہ جلوہ بار تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

مفتی سید خورشید انور شمسی: ایک قابلِ رشک شخصیت

از: محمد ولی اللہ قادری، استاذ گورنمنٹ انٹر الج، چھپرا، بہار

یہ جملہ لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ مرکزی ادارہ شرعیہ بہار، پٹنہ کے صدر قاضی شریعت اور خانقاہ شمسیہ ارول بہار کے ولی عہد حضرت مفتی سید شاہ محمد خورشید انور شمسی ہمارے درمیان سے اس جگہ تشریف لے گئے جہاں سے آج تک کوئی لوٹ کر نہیں آیا۔ شب اکیس

رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۶/ مئی ۲۰۱۹ء حضرت ہمیشہ کے لئے ہم لوگوں سے رخصت ہوئے لیکن ان کی خدمات اور ان کی کرم فرمائیاں بھولنے سے بھی نہیں بھولیں گی۔ بایں سبب حضرت کے انتقال سے خاکسار کو غیر معمولی صدمہ پہنچا۔ حضرت کی وصال کے خبر سننے کے بعد جو تعزیتاتی تاثرات ذہن میں آئے انہیں اخبار کے حوالے کیا گیا جو حاضر خدمت ہیں:

ادارہ شرعیہ کے صدر قاضی اور خانقاہ شمسیہ ارول کے ولی عہد حضرت مفتی سید شاہ خورشید انور شمسی کے انتقال سے مذہب وملت کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے - حضرت کے ناگہانی انتقال سے پوری دنیائے سنیت غمگین ہے۔ اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت کی خدمات کے صدقے میں ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے مریدین ومعتقدین کو صبر جمیل دے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین ﷺ۔ مذکورہ بالا باتوں کا اظہار گورنمنٹ انٹر کالج چھپرا کے استاد مفتی محمد ولی اللہ قادری نے اپنے تعزیتی بیان میں کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ حضرت کے انتقال سے مجھے ذاتی طور پر شدید رنج ہوا کیوں کہ حضرت کی کرم فرمائی اور ذرہ نوازی بار بار یاد آنے لگی۔ حضرت کی صدارت میں ادارہ شرعیہ کی سمستی پور شاخ میں قضا کی ذمہ داریاں نبھانے کا شرف حاصل ہوا۔ اس دوران اگر مجھ سے غلطی ہوئی بھی تو آپ ایک صدر قاضی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مشفق کی طرح اصلاح فرمائی۔ کبھی بھی اپنے عہدے کا رعب نہیں دکھایا۔ عصر حاضر کے علما اور مشائخ میں ان کی شخصیت اس لیے ممتاز تھی کہ آپ کی شخصیت شریعت اور طریقت کا مجمع البحرین تھی کہ آپ نے پوری زندگی دونوں کو رہنما بنایا اور علما اور صوفیا کے درمیان کے اختلاف پر بحث کرنے سے ہمیشہ گریز کیا۔ حد تو یہ کہ آپ ایک چشتی خانقاہ کے ولی عہد رہے اس کے باوجود محفل سماع مع مزامیر پر شدت کا مظاہرہ کبھی بھی نہیں کیا۔ محمد ولی اللہ قادری نے اپنے تعزیتی بیان میں یہ بھی کہا کہ آپ نے اپنے کردار سے آل رسول ہونے کا حق ادا کر دیا۔ صدر قاضی رہتے ہوئے اپنا لباس خود اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے اور کپڑوں پر پریس خود کرتے اگر کوئی شخص یا طالب علم اصرار کرتا تو یہ عذر بیان فرماتے کہ دوسرے کے ہاتھ کا دھویا ہوا کپڑا پر اطمینان نہیں ہوتا۔ (روزنامہ انقلاب، پٹنہ، ۲۸/ مئی ۲۰۱۹ء)

حضرت کی تاریخ پیدائش ۱۵/ جون ۱۹۷۳ء ہے اس لحاظ سے حضرت نے فانی دنیا میں محض ۴۶/ سالوں تک رہے، اس کے باوجود ہزاروں مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ان میں سبھی شعبہ حیات کے مسلمان شامل ہیں۔ حضرت کی ابتدائی تعلیم خانقاہ شمسیہ ارول میں ہوئی اور انہوں نے فضیلت کی دستار جونپور یوپی حاصل کی۔ فضیلت کرنے کے بعد ادارہ شرعیہ پٹنہ میں افتا وقضا کی تربیت حاصل کی۔ آپ کی بزرگی و شرافت اور صلاحیت کو دیکھتے ہوئے اراکین ادارہ نے ۲۰۰۶ء میں قاضی کے عہدے پر منتخب کیا۔ قاضی شریعت مفتی عبدالحافظ رضوی کے انتقال کے بعد ۲۰۱۲ء میں صدر قاضی شریعت منتخب ہوئے اور پوری ایمانداری اور غیر جانبداری سے اپنے عہدے کے فرائض کو انجام دیا۔

حضرت نے اعلی خاندان کی بنیاد پر لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں بنائی بلکہ اس کی ایک ہی وجہ رہی کہ انہوں نے ہر کسی کے ساتھ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا۔ کبھی بھی خاندانی یا نسبی تفاخر کا اظہار نہیں فرمایا۔ حد تو یہ کہ بلا وجہ اپنی خانقاہ کا شہرہ بھی نہیں کیا۔ راقم الحروف کو خانقاہ شمسیہ ارول کی آفاقی خدمات کی معلومات سب سے پہلے پروفیسر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی سجادہ نشیں خانقاہ منعمیہ قمریہ، پٹنہ سیٹی سے حاصل ہوئی۔ دوران گفتگو شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ اسماعیل دہلوی کی متنازعہ کتاب "تقویت الایمان" کے خلاف بہار میں سب سے پہلے خانقاہ شمسیہ ارول نے فتوی جاری کیا تھا۔ اسی طرح "سیرت پیر مجیب" کے مولف مولانا ہلال احمد قادری پھلواروی نے بھی لکھا ہے کہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جو تبرکات موجود ہیں، وہ خانقاہ شمسیہ سے آئے ہوئے ہیں۔ نئی نسل کے علما اور مشائخ میں حضرت جیسا انکسار اور خلیق میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ آج کل یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ اپنی شخصیت اور خانقاہ کے مقابلے میں دوسری خانقاہ کو کم تر دکھانے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے، لیکن الحمد للہ رب العالمین اس مرض سے حضرت کی ذات پاک وصاف تھی۔ یاد آتا ہے کہ ۲۰۱۳ء میں جامعہ مخدومیہ تیغیہ معین العلوم مخدوم نگر، سمستی پور کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد مطیع الرحمن اشرفی مصباحی کے منشا پر راقم الحروف نے حضرت کو دعوت دی۔ حضرت وعدہ کے مطابق تشریف لائے۔ اس کانفرنس میں مولانا سید محمد اشرف اشرفی کچھوچھوی قومی صدر آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ سرپرست کانفرنس تھے۔ سید محمد اشرف کچھوچھوی کے مریدوں نے ان کے لیے اسٹیج پر ایک عمدہ قسم کی کرسی کا انتظام کر دیا اور حضرت سید محمد اشرف اس پر رونق افروز ہوئے۔ منتظمین جلسہ نے مجھے کہا کہ جائیے اور مفتی سید خورشید انور شمسی کو خطاب فرمانے کے لیے بلا لائیے۔ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اب کیا ہوگا چوں کہ کرسی ایک تھی اور دو پیران طریقت اور دو

معتبر خانقاہوں کے شہزادے۔ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے میرے چہرہ کے جغرافیہ پڑھ لیا اور ارشاد فرمایا کہ آپ گھبراتے کیوں ہیں؟ یہ علاقہ اشرف میاں کا ہے اور ان کے مریدین کے جذبات اور عقیدت کا خیال کرنا ضروری ہے۔ میرے اوپر کچھ اثر نہیں پڑے گا اور بہ خوشی منبر پر تشریف لائے اور ایسا ناصحانہ اور تصوفانہ خطاب فرمایا کہ سامعین حضرت کے خطاب سے خوب محظوظ ہوئے – حضرت نے مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری علیہ الرحمہ کے مکتوبات کی روشنی میں شریعت اور طریقت پر بہت ہی عمدہ خطاب فرمایا۔

یہاں یہ بات بھی یاد آرہی ہے کہ حضرت نے نذرانہ کے لفافہ پر نظر کبھی نہیں رکھی اور کسی نے نذرانہ کبھی پیش بھی نہیں کیا تو اس کا اظہار بھی نہیں کیا۔ ایک مرتبہ راقم نے اپنے علاقہ (مشرقی چمپارن) کے لیے حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی کو دعوت دی اور انھوں نے دعوت قبول بھی کرلی لیکن شاہ صاحب نے جلسہ سے چند دن قبل بے پناہ مصروفیت کی وجہ سے وہاں جانے سے معذرت کرلی اور فرمایا کہ وہ تاریخ مجھے یاد نہیں رہی کہ اس تاریخ میں ہمارے گھر میں کام کرنے والی بووا کی بچی کی شادی ہے۔ اگر اس میں شریک نہ رہوں تو مخالفین یہ کہیں گے کہ غریب کی بیٹی کی شادی چھوڑ کر شاہ صاحب دوسری جگہ چلے گئے۔ چوں کہ شاہ صاحب مقرر خصوصی تھے اس لیے جلسہ والے گھبرا گئے اور ان کی جگہ کسی متبادل کو بھیجنے کی درخواست کی۔ اس مرحلے میں غور وفکر ہوئی اور بات یہ طے پائی کہ جلسے میں مفتی سید محمد خورشید انور شمسی کو بھیج دیا جائے اور منعمی صاحب نے فون پر بات کی تو حضرت راضی ہوگئے۔ تاریخ معینہ پر حضرت قاضی شریعت روانہ ہوئے – جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے بعد جمعہ ادارہ شرعیہ سے نکلے۔ جاڑے کا موسم تھا اس لیے چکیا پہنچنے میں بہت تاخیر ہوگئی اور رات میں سیت لہر کا قہر بھی تھا۔ میں نے دار العلوم رضویہ چکیا کے صدر المدرسین مولانا مشتاق احمد برہانی کو فون کیا اور مولانا برہانی نے حضرت قاضی شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے طعام وقیام کا انتظام اپنے ادارہ میں کیا۔ میں جلسہ والوں کو فون کیا کہ آپ لوگ حضرت کو چکیا سے بلانہ سکیں تو کم از کم حضرت سے ملاقات کرکے زاد سفر تو پیش کردیں۔ انھوں نے کہا کہ حضرت سے ملاقات کرکے ان کی خدمت میں نذرانہ پیش کررہا ہوں لیکن معاملہ برعکس ہوا۔ اس واقعہ سے راقم بہت شرمندہ ہوا، جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو میرے کچھ کہنے سے قبل ہی فرمایا کوئی بات نہیں اس طرح کبھی کبھی ہوجاتا ہے۔ ہاں ایک بات ضرور کہا کہ جلسہ والوں کو جلسہ سے قبل ہی بے چینی رہتی ہے جلسہ کے بعد کون کس کو پوچھے؟ اس کے بعد حضرت نے کبھی بھی اس واقعہ پر کچھ نہیں کہا۔ اس واقعے کے بعد حضرت کی شخصیت کا وقار راقم کے دل میں مزید بیٹھ گیا۔ حضرت کا یہ کردار واضح کرتا ہے کہ حضرت دینی اور مذہبی جلسوں میں محض اصلاح امت کے غرض سے شامل ہوتے تھے۔

مفتی خورشید انور شمسی کی شخصیت کا یہ پہلو بھی یاد آرہا ہے کہ حضرت نے پوری عمر بہ قول اقبال۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

میں گزاری۔ اسی لیے دنیاداروں سے الگ تھلگ رہے۔ یاد آرہا ہے کہ ایک بار مولانا غلام رسول بلیاوی اور حضرت دونوں حضرات محو گفتگو تھے۔ راقم الحروف بھی کہیں سے پہنچا۔ مشہور کانگریسی لیڈر اور سابق مرکزی وزیر طارق انور کے سلسلے میں گفتگو چل رہی تھی بلیاوی صاحب حضرت سے پوچھ رہے تھے کہ طارق انور کیسے ہیں۔ خانقاہ (شمسیہ ارول) میں آنا جانا ہوتا ہے یا نہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ ایک ہفتہ قبل خانقاہ پہنچ کر چادر پوشی کی۔ بلیاوی صاحب نے پھر پوچھا کہ آپ لوگوں سے ملاقات ہوئی یا نہیں۔ اس سوال کے جواب میں انہوں فرمایا کہ وہ سیاسی لیڈر ہیں اس لیے ہم لوگ ذرا دور رہتے ہیں۔ اس پر بلیاوی صاحب نے مشورہ دیا کہا کہ ان لوگوں سے تعلقات استوار رکھنا چاہیے تاکہ وقت ضرورت کام لیا جاسکے۔ اس دن راقم کو معلوم ہوا کہ طارق انور کا تعلق خانوادہ شمسیہ سے ہے اور رشتہ میں طارق انور حضرت کے چچا لگتے ہیں۔ اس کے بعد میں مولانا عبدالحئی بیتاب صدیقی کی کتاب "شاہ محمد زبیر" پڑھی تو خانوادہ شمسیہ کے سلسلے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں۔

مفتی سید محمد خورشید انور شمسی مہمان نواز تھے۔ ادارہ شرعیہ میں کوئی بھی مہمان آئے اس کے خورد و نوش کے بارے میں دریافت فرماتے۔ جب بھی ان کے حجرہ میں جائیں کوئی نہ کوئی مہمان سے ضرور ملاقات ہوجاتی۔ مقررین اور شعرا کہیں کے پروگرام سے لوٹتے تو ادارہ شرعیہ کے مہمان خانہ میں قیام کرنے کے بجائے حضرت کے حجرہ میں کرتے۔ حضرت اپنی جیب خاص سے عمدہ سالن منگوایا کرتے تھے اگر ناشتہ کا وقت ہوتا تو چائے بھی منگواتے۔ راقم نے بہت سے مقررین اور شعرا سے یہ سنتے ہوئے پایا کہ سید صاحب کی غیر موجودگی میں ادارہ شرعیہ میں اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔ ادارہ سے فراغت کے بعد بسا اوقات راقم الحروف نے بھی محسوس کیا۔

عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ جب کسی کو بڑا عہدہ مل جاتا ہے تو وہ خورد ہ اور ذرہ نوازی کا سلیقہ بھول جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے اساتذہ اور اکابرین کا مقام بھی بھول جاتا ہے۔ اس زوال پذیر عہد میں سید صاحب عظیم نعمت تھے۔ اپنے اساتذہ کے ساتھ ساتھ اپنے معتقدین اور تلامذہ کی بھی قدر کرتے تھے۔ اپنے

اساتذہ میں مفتی احتشام الدین احمد جون پوری اور دار العلوم علیمیہ جمداشاہی، ضلع بستی کے شیخ الحدیث علامہ قمر عالم قادری مصباحی کا تذکرہ خوب کیا کرتے تھے۔ راقم نے دو مرتبہ علامہ قمر عالم مصباحی کا ادب کرتے ہوئے دیکھا۔ پہلی مرتبہ ادارہ شرعیہ میں اور دوسری مرتبہ سمستی پور میں۔ علامہ قمر عالم مصباحی جب ادارہ شرعیہ میں تشریف لائے اسی وقت سے ان کی خدمت میں لگ گئے اور کہاں اٹھائوں کہاں بیٹھائوں والا محاورہ دیکھنے کو ملا۔ علامہ مصباحی کے بار بار منع کرنے پر بھی وہی معاملہ رہا۔ یہاں تک دار القضا میں دیکھا کہ مسند قاضی پر اپنے استاد کو بیٹھانے کے بعد ان کے بغل میں نہایت ادب کے ساتھ بیٹھ گئے اور استاد کے ہر سوال کا جواب آہستہ آہستہ دے رہے تھے۔ علامہ قمر عالم صاحب نے لاکھ نسبت رسول کا حوالہ دیا اس کے باوجود حضرت دار القضا میں ایک شاگرد کی حیثیت سے بیٹھے رہے۔ دوسری مرتبہ سمستی پور میں علامہ قمر عالم صاحب کے خاص رشتہ دار جناب فردوس رضوی (مکھیا) کی صاحبزادی کے نکاح میں اپنے استاد کا ادب کرتے ہوئے قاضی صاحب علیہ الرحمہ کو دیکھا۔ یہ باتیں رہیں استاد کی لگے ہاتھوں ذرہ نوازی کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ ادارہ شرعیہ میں قیام کے دوران ہی راقم کے قلم میں پختگی آئی اور اس میں حضرت کی خصوصی دعا کا دخل ہے۔ جب بھی راقم کا مضمون شائع ہوتا، حضرت خوب حوصلہ افزائی فرماتے اور وقت ضرورت اصلاح بھی فرماتے۔ راقم کی سب سے پہلی مولفہ کتاب ”علم دین کی فضیلت“ شائع ہونے لگی تو حضرت بے پناہ مصروفیات کے باوجود دعائیہ کلمات قلم فرمائے۔ موقع کی مناسبت سے کتاب میں شامل حضرت کے دعائیہ کلمات حاضر خدمت کر رہا ہوں تاکہ حضرت کے محتاط قلم کو بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے

سمستی پور میں واقع جامعہ مخدومیہ تیغیہ معین العلوم تعلیم کے ساتھ دوسرے نہج سے بھی دین وسنیت کی خدمتیں کرتا رہا ہے۔ بہار میں اہلِ سنت و جماعت نیز صوفیہ کے مشن کو فروغ دینے کے لیے اشاعتی کاموں کی طرف متوجہ بھی ہو رہا ہے۔ یہ مسرت کی بات ہے۔

عزیز گرامی مفتی ولی اللہ قادری صاحب اسی ادارہ سے وابستہ ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ان کی تصنیف و تالیف کی جانب پیش قدمی ان کے پر خلوص جذبہ اور جواں ہمتی کی دلیل ہے۔ موصوف علم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے علمائے کرام اور صوفیاے عظام کی علمی خدمات کے فروغ میں مصروف ہیں یہ ان کی خوش بختی بھی ہے اور علمی شوق وذوق کا غماز بھی کہ اشاعت علم دین کے پیش نظر انھوں نے عوامی فائدے کے لیے سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحی منیری اور اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے ممتاز تلمیذ و خلیفہ، ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہما الرحمہ کی کتابوں سے چند اقتباسات کو بڑے سلیقے سے یکجا کرنے کی کوشش کی ہیں۔ موصوف کتاب کی فوٹو کاپی لے کر آئے مگر تحریر صاف نہیں تھی اس لیے بالاستیعاب مطالعہ نہ کر سکا، مگر موصوف چونکہ ادارہ شرعیہ بہار کے شعبہ افتاء میں تربیت حاصل کی ہے اس لیے ان پر اعتماد ہے کہ انتخاب بہتر ہی ہوگا۔ اور عوام کے لیے طلب علم وفیض کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

مولیٰ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور عوام و خواص کے لیے یکساں مفید و نفع بخش بنائے۔ مولف و معاونین اور ناشرین کو جزائے خیر دے۔ مزید سعادتوں کی توفیق بخشے آمین بجاہ سید المرسلین۔

خادم الفقرا

سید محمد خورشید انور شمسی، خانقاہ شمسیہ ارول

خادم مرکزی دار القضا ادارہ شرعیہ، پٹنہ/۱۲/ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ

ایک سال کے اندر ادارہ شرعیہ کی دو عظیم شخصیت کا گزرنے سے ایسا لگتا ہے کہ ادارہ شرعیہ پر کسی کی نظر بد لگ گئی ہے۔ اسی لیے توامین شریعت حضرت مفتی اعظم ہالینڈ مفتی عبد الواجد نیر قادری کے بعد قاضی شریعت سے ادارہ محروم ہو گیا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک ادارہ شرعیہ کو نظر بد سے بچائے اور دونوں بزرگوں کی خطائیں معاف فرما کر ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ ☆☆☆

خطیبِ خوش بیان مولانا قاری نور الحق مصباحی غازی پوری بھی نہ رہے

از: مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری، مہتمم دار العلوم قادریہ چریاکوٹ

بروز یک شنبہ بتاریخ ۳۰ جون ۲۰۱۹ء (۱۹، شوال المکرم، ۱۴۴۰ھ) غازی پور کی عظیم شخصیت حضرت مولانا حافظ قاری نور الحق مصباحی سابق استاذ الکلیۃ الشرقیہ چشمہ رحمت غازی پور اس دنیاے فانی سے کوچ کر کے دار البقا کو سدھار گئے۔ چند مہینے کی علالت کے بعد اعظم گڑھ کے ایک ہاسپٹل میں آپ کا انتقال ہوا، وہاں سے نعش مبارک آپ کے آبائی گاؤں فتح پور اٹوا ضلع غازی پور لائی گئی۔ اس خبر پر ملال کو پاتے ہی پورے غازی پور اور قرب و جوار میں غم و اندوہ کے بادل چھا گئے، خاص طور سے مدرسہ چشمہ رحمت کے در و دیوار سوگوار ہو گئے۔ جہاں ایک عرصہ دراز تک آپ نے درس گاہ حفظ و قراءت کو سنبھالا تھا۔ بڑے اچھے خطیب تھے غازی پور اور قرب و جوار میں آپ کی خطابت کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ (باقی ص:۵۲ پر)

جمہوریت خطرے میں

مکرمی...............................السلام علیکم

ملک کے حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں، آئے دن کوئی نہ کوئی حادثہ رونما ہو جاتا ہے، کبھی گاؤکشی کے نام پر تو کبھی چوری کا جھوٹا الزام لگا کر کسی بے گناہ کا قتل عام ہو جاتا ہے، اور قانون کو ہاتھ میں لینے والے اتنے جری ہو گئے ہیں کہ مارتے ہوئے موبائل سے ویڈیو بھی بناتے ہیں اور بڑے فخر سے اسے وائرل بھی کر دیتے ہیں. یہ دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر انھیں کس نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت دے رکھی ہے؟

وزیر اعظم کا یہ نعرہ "سب کا ساتھ سب کا وکاس" یہ صرف کھوکھلا اور زبان خرچی تک ہی محدود رہنے والا نعرہ ہے، اگر کسی ظالم کو سخت سزا ملتی تو یہ فتنہ شروع ہی میں ختم ہو گیا ہوتا، مگر جب یہ حکومت ہی کے ایجنڈے میں شامل ہو تو پھر کس سے انصاف کی امید کی جا سکتی ہے۔ جبھی تو رام گڑھ جھارکھنڈ کے علیم الدین انصاری کے قاتلوں کی ضمانت پر رہا ہونے کے بعد ہزاری باغ سے بی جے پی کے نیتا اور وزیر جینت سنہا نے ان ظالموں اور قاتلوں کی حوصلہ افزائی کی، اور پھول مالا سے ان کا استقبال کیا، اور یہ باور کرنے کی کوشش کی کہ تمھیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے حکومت تمھارے ساتھ ہے، یہ حال ہے مودی جی کے نیتاؤں کا، اب جس ملک میں وزیر ہی گنڈوں کی پشت پناہی کر رہا ہو بھلا وہ جرائم کی آماجگاہ بننے سے کیسے رک سکتا ہے۔

پہلی مرتبہ ماب لنچنگ پہ جس دن مودی بول رہے تھے اسی دن رام گڑھ میں علیم الدین انصاری کے ساتھ یہ حادثہ ہوا مگر بھگوا دہشت گردوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، سال بھر میں مختلف جگہوں پر مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا، ابھی حال ہی میں تبریز انصاری کو چوری کے الزام میں پیٹ پیٹ کر نیم مردہ کر دیا، رہی سہی قصر پولیس نے وقت رہتے صحیح علاج نہ کرا کر پورا کر دیا اور تبریز اس دنیا سے چلا گیا، ابھی احتجاج کا دور چل ہی رہا ہے کہ کوڈرما سے یہ خبر آ رہی ہے کہ یہاں بھی چوری کے الزام میں ایک مسلم کو پیٹا گیا مگر وقت رہتے پولیس حرکت میں آ گئی اور اس شخص کی جان بچ گئی۔

ان سطور کے لکھتے وقت اب دل دہلا دینے والی اور بھی چار وارداتیں سامنے آئی ہیں۔

ایک تو یہ کہ مدھیہ پردیش میں ایک بزگ کے ہاتھ پیر توڑ دیئے گئے۔ دوسرے گجرات میں ایک نوجوان کو ننگا کر کے پیٹا گیا جس کی ویڈیو بھی وائرل ہو رہی ہے۔ تیسرے کولکاتہ میں تین شخص کو ٹرین سے ڈھکیل دیا گیا، اس سے پہلے بھی ایک شخص کو کولکاتہ میں ٹرین سے پھینک دیا گیا تھا۔ آخر یہ کرنا کیا چاہتے ہیں، مسلمان اگر میدان میں آ جائیں تو پھر ان کا جینا مشکل ہو جائے گا۔

موجودہ حکومت ایک طرف تو مسلمانوں سے ہم دردی کا اظہار کرتی ہے کہ ہمیں مسلمانوں کا دل جیتنا ہے، مدرسوں کو جدید تعلیم سے لیس کرنا ہے، مدارس کے اساتذہ کی جدید طریقہ سے ٹریننگ کرانی ہے، ہم مسلمان بچوں کے ایک ہاتھ میں قرآن تو دوسرے ہاتھ میں کمپیوٹر دیکھنا چاہتے ہیں، بہت اچھی بات ہے مگر پھر یہ کیوں ہو رہا ہے کہ مدرسہ جا رہے اساتذہ اور طلبہ کو ٹرین سے اتروا کر انکوائری کرا رہی ہے، مدرسہ جا رہے اساتذہ اور طلبہ کو راستے میں پولیس پریشان کر رہی ہے۔

ان سب کے بیچ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب ہمارے قائدین میدان میں آ رہے ہیں سب متحد ہو کر سارے اختلافات کو درگزر کر کے مسلمانوں کے حق میں آواز اٹھائیں، کاروائی کروائیں، فیس بک واٹس پر اپنے علما و مشائخ پر کیچڑ اچھالنے والے یہ کام بند کریں، جو کام کر رہا ہے اس کی حوصلہ افزائی کریں. مخالفت نہ کریں، کچھ احباب فیس بک پر نام ونمود کے لیے اختلافی پوسٹ پھیلانے میں بڑی دل چسپی دکھاتے ہیں اس میں سوائے نقصان کے اور کچھ بھی نہیں ہے.

اللہ تعالیٰ عالم اسلام کے مسلمانوں کی جان، مال، عزت اور آبرو کی حفاظت فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

از: محمد ابوہریرہ رضوی مصباحی
پھول سرائے، رام گڑھ (جھارکھنڈ)

پانی کی قدر کیجیے-یہ ضروری ہے زندگی کے لیے

مکرمی..................سلام مسنون

انسانی زندگی میں پانی کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو زندگی کی تمام سہولتیں بے کار ثابت ہوجاتی ہیں، پانی کی اس اہمیت کی وجہ سے ہر دور کے حکمرانوں اور بادشاہوں نے تالاب اور کنوؤں کی شکل میں ذخائر آب کو فروغ دینے کا اہتمام کیا ہے۔ویسے انسانی رفاہی کام تو بے شمار ہیں لیکن ان میں کنوؤں کی کھدوائی اور بورویل کی تنصیب کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ احادیث شریفہ میں پانی پلانے اور صدقہ جاریہ کے طور پر کنوئیں کھدوانے کے بڑے فضائل بیان کیے گئے ہیں، نبی رحمت ﷺ نے ایک ایسی خاتون کے تعلق سے جس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا مغفرت کی خوش خبری سنائی۔ تاریخ انسانی میں وہ حکمراں ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گئے جنہوں نے مخلوق خدا کے لئے پانی کی سہولتیں فراہم کیں۔ زبیدہ خاتون کا نام اسلامی تاریخ میں آج بھی روشن ہے جس نے نہر کھدوائی تھی جسے نہر زبیدہ کہا جاتا ہے۔

جدید صنعتی انقلاب نے پانی کی ضرورت اور بڑھادی ہے ۔بیشتر صنعتوں کا دارومدار پانی پر ہے۔ پانی کی اسی ناگزیریت کے سبب ہر دور میں پانی کے لیے تنازعات ہوتے رہے ہیں۔ماہرین کے مطابق پانی کے لئے تنازعات کی تاریخ پانچ ہزار سالہ پرانی ہے۔ اس وقت دنیا کے مختلف آبی ذرائع کے حوالے سے عالمی تنازعات کا سلسلہ ہے بلکہ ماہرین کا کہنا ہے کہ مستقبل کی بڑی جنگیں پانی کے لئے ہوں گی۔عالم اسلام کے مختلف ممالک دریاؤں کے پانی کی تقسیم کو لے کر تنازعات کا شکار ہیں۔

ایک طرف انسانی آبادی کے لیے پانی ناگزیر ہے تو دوسری جانب اس وقت عالمی سطح پر دنیا قلت آب کا شکار ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق اس وقت عالمی آبادی کا گیارہ فیصد یعنی ۷۸۳ ملین افراد پینے کے صاف پانی سے محروم ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق اس وقت دنیا کے دو بلین افراد صاف پانی سے محروم ہیں۔

قلت آب سے دوچار ممالک میں ہمارا ملک ہندوستان بھی شامل ہے۔اس وقت پورے ملک سے پانی کے بحران کی خبریں وصول ہو رہی ہیں۔ مہاراشٹرا سب سے زیادہ متاثر ہے جہاں کے بعض اضلاع میں پانی کے لیے گروہ واری جھڑپیں بھی ہو رہی ہیں۔ کسان طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہو رہا ہے۔ بہت سے کسان فصلوں کی تباہی اور بڑھتے ہوئے قرض سے مایوس ہو کر خودکشی کرنے لگے ہیں۔ ریاست تلنگانہ کو بھی آبی قلت کا سامنا ہے۔ شہر حیدرآباد کے بڑے ذخائر آب خشک میدان میں تبدیل ہو چکے ہیں حتی کہ زیر زمین سطح آب میں انتہائی گراوٹ آچکی ہے۔ دیہاتوں کی صورتحال بھی سنگین ہوتی جا رہی ہے ایسے دیہات جہاں کبھی کنوئیں اور بورویل خشک نہیں ہوتے تھے اس مرتبہ وہاں بورویل خشک ہونے کی اطلاعات آرہی ہیں۔ شہروں میں بھی بورویل جواب دے چکے ہیں۔ لوگ ٹینکروں سے پانی خریدنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ گرمی کی شدید لہر نے صورتِ حال کو مزید سنگین کردیا ہے۔ پانی کی قلت سے ملک کے سارے طبقات پریشان ہیں۔ جنوبی ہند کی تقریبًا ریاستوں میں قلت آب کی صورت حال نے تلنگانہ کے بہت سے علاقوں سے لوگ احتیاطی طور پر نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں۔ لاتور میں ٹرین کے ذریعہ پانی سپلائی کیا جارہا ہے۔ قلتِ آب کی اس سنگین صورتحال سے نکلنے کے لیے اسلامی حل کو اپنانا ضروری ہے۔ قرآن و حدیث میں پانی کے اسراف سے منع کیا گیا ہے۔ پانی اللہ کی عظیم نعمت ہے اور نعمتوں کے حوالے سے اللہ کا عام ضابطہ یہ ہے کہ نعمتوں کی ناقدری سے اللہ نعمتیں چھین لیتا ہے۔ قرآن میں صاف فرمایا' کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ (آل عمران) وضو اور نماز کے لئے پانی ضروری ہے اور وضو عبادت ہے لیکن اس کے لیے بھی ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنے سے منع کیا گیا۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا اگر تم بہتی نہر پر بھی وضو بناؤ تو پانی میں اسراف نہ کرو۔ ایک صحابی وضو کے دوران پانی زیادہ استعمال کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اے فلاں یہ کیا اسراف کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! پانی کو بھی ضرورت سے زیادہ استعمال کی اجازت نہیں۔ ایک حدیث میں ضرورت سے زیادہ پانی کو خرچ کرنے سے منع کیا گیا۔ رسول کریم ﷺ جو کہ پانی کے استعمال میں کافی احتیاط کیا کرتے تھے محققین لکھتے ہیں کہ :

صحابہ کرام نے وضو اور غسل میں حضور ﷺ کے پانی کی مقدار

تک کا اندازہ کیا ہے، چنانچہ صحابہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک صاع میں غسل فرماتے تھے اور ایک مُد پانی میں وضو فرمایا کرتے تھے۔ لیٹر کے حساب سے ایک صاع چار لیٹر ۷ ملی لیٹر اور ۳۰ میکرو ملی لیٹر ہوتی ہے اور مُد ایک لیٹر ۳۱ ملی لیٹر ہوتا ہے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ وضو میں ایک لیٹر سے بھی کم پانی استعمال کرتے تھے۔ غسل کے لیے قریب چار لیٹر پانی استعمال کرتے تھے۔ ایک طرف نبی کریم ﷺ کی یہ ہدایات ہیں تو دوسری طرف ہمارا طرز عمل یہ ہے کہ پانی میں اسراف اور بلا ضرورت پانی ضائع کرنا ہمارا وطیرہ بنتا جارہا ہے۔ مساجد میں وضو کے لیے نل کی ٹونٹی کھول دی جاتی ہے تو اس وقت تک بند نہیں ہوتی جب تک وضو مکمل نہیں ہوتا۔ بھرپور نل کھول کر کئی لیٹر پانی بہایا جاتا ہے۔ سرکاری نلوں کی ناقدری بھی افسوسناک ہے۔ محلوں میں پانی کی ٹینکوں سے مسلسل پانی بہتا رہتا ہے۔ گھر والوں کو نل بند کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ سب پانی جیسی نعمت کی ناقدری ہے اور یہی ناقدری قلت آب کا سبب بن رہی ہے۔ معاشرہ میں پانی میں احتیاط کے تعلق سے شعور بیداری کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے بہتے یا کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا تاکہ پانی ناقابل استعمال نہ ہوجائے۔ نبی رحمت ﷺ نہر کے کنارے بھی وضو فرماتے تو پانی کو فضول ضائع نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ نہر پر وضو فرمارہے ہیں کہ برتن میں پانی لیتے پھر وضو فرماتے اور جو بچ جاتا اسے نہر میں انڈیل دیتے تھے۔ اس وقت بعض حضرات کی جانب سے وضو کے پانی کو بچانے دوبارہ زمین میں جذب کرانے کی تجویز پیش کی جارہی ہے۔ تاکہ زیر زمین سطح آب میں اضافہ ہو۔ اگر اس پر عمل کی شکل پیدا ہو تو یہ ایک اچھی صورت ہوسکتی ہے۔ اس لیے کہ ملک بھر میں ہزاروں مساجد ہیں جہاں لاکھوں مصلی وضو کرتے ہیں اس طرح پانی کی ایک بڑی مقدار زمین میں جذب ہونے سے سطح آب میں اضافہ میں مدد ملے گی۔

ساتھ ساتھ مسلم تنظیموں کو چاہیے اس جانب بھی اپنی توجہ دیں اور اور انسانی خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہوکر میدان عمل میں آئیں کہ عصر حاضر کا ایک اہم اور ناگزیر معاملہ ہے، انسانوں کو اس پریشانی سے بچانے کی مکمل کوشش کریں اور جہاں تک ہوسکے پیاسوں کو پانی پلائیں اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے پانی صدقہ کریں۔

از قلم: محمد اختر علی واجد القادری

شمس العلما دارالافتاوالقضا، جامعہ اسلامیہ میرا ممبئی۔

(ص:۴۹ کا بقیہ) قرآن کی تلاوت کرتے، نعت شریف بھی ترنم سے پڑھتے پھر موقع محل کی مناسبت سے پر مغز خطاب فرماتے۔ آپ کے خطاب کے درمیان سامعین جم کر کر بیٹھتے، ہلنے کا نام نہیں لیتے، موقع ملتا تو آخر میں صلوۃ وسلام کے اشعار بھی پڑھتے۔ جہاں کہیں جلسوں میلاد پاک کی محافل میں بلائے جاتے بلا تکلف اپنی گاڑی سے جاتے اور لوٹ آتے، نہ کبھی کرایے کی مانگ کی، نہ نذرانے کی، عقیدت مند حضرات جو نذر پیش کرتے اسے قبول کرلیتے، کبھی کبھی ایک ہی شب میں کئی کئی محافل میلاد میں تشریف لے جاتے،

آپ کے انتقال پر ملال سے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے جو بظاہر پر ہوتا نظر نہیں آتا۔ مشہور فاضل مولانا نصر اللہ مصباحی بھیروی کے ہم درس تھے۔ فاضل گرامی حضرت مولانا قاری فضل حق مصباحی غازی پوری بانی دارالعلوم غوثیہ نظامیہ، ذاکر نگر، جمشید پور (ٹاٹا نگر، جھارکھنڈ) کے برادر زادہ تھے۔

آپ کی نماز جنازہ دوسرے روز دوشنبہ کو بعد نماز عصر، خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی سابق پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے پڑھائی، پھر آپ کو آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

جنازے میں مدرسہ چشمہ رحمت کے اساتذہ، دارالعلوم قادریہ غازی پور اور مدرسہ ملک العلوم شادی آباد، اور دوسرے تمام ہی مدارس کے اساتذہ طلبہ اور ذمے داروں نے شرکت کی چند اہم شخصیات کے نام یہ ہیں۔ خطیب اہل سنت مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا عارف رضا مصباحی، مولانا ریاض احمد مصباحی رکسہا، مولانا مجیب اللہ خان مصباحی، مولانا محمد احمد برکاتی شادی آباد، قاری محمد شاہ روم، مولانا قاری محمد فیروز، مولانا سرفراز احمد بغدادی مہروپور، حافظ فدا حسین مہروپور، مولانا قاری منور حسین مصباحی زنگی پور، قاری نواز احمد، مولانا حافظ عظمت حسین بڑسرا، غازی پور، مولانا فرید احمد قادریہ، مولانا تاج احمد مصباحی، پرنسپل مدرسہ چشمۂ رحمت اور بھی بہت سے علما و مشائخ حفاظ و قراء وہ تھے جن کے نام و مقام سے واقفیت نہیں۔ نماز جنازہ میں مجمع کثیر تھا جو حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی مقبولیت کی بیّن دلیل ہے۔ بالجملہ آپ کی ذات ایسی تھی کہ ع

مدتوں رویا کریں گے جام ومیخانہ تجھے

ناچیز راقم الحروف، جناب بدرالحق خاں پردھان، جناب صدر الحق خاں ایڈوکیٹ، مولانا قاری فضل حق مصباحی، قاری عبداللہ دیگر اہل خانہ وپسماندگان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے اور قاری صاحب علیہ الرحمہ کے لیے دعاے رحمت وغفران۔

☆☆☆

خیر و خبر

بی جے پی حکومت مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت کرنے پر آخر بضد کیوں ہے؟

مبارک پور اعظم گڑھ: نئی مرکزی حکومت کی پہلی کابینہ کمیٹی نے یہ واضح کر دیا ہے کہ آنے والے لوک سبھا کے اجلاس میں طلاق ثلاثہ کے خلاف پھر سے نیا بل لایا جائے۔ جب کہ دو بار لوک سبھا میں یہ بالکل پاس ہو کر راجیہ سبھا میں جانے کے بعد مسترد ہو چکا ہے۔ حکومت کو نہ جانے کون سی ضد ہے کہ وہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت کرنے پر بضد ہے اور تیسری بار مسلمانوں کی بھرپور دل آزاری کا سامان کرنے کا اعلان کر رہی ہے جب کہ وزیر اعظم کہتے ہیں ہم کو سب کا وکاس اور وشواس چاہیے حالاں کہ یہ بالکل سراسر مسلمانوں کے وشواس کے خلاف ہے اور یہ دعوی کرنا کہ مسلمان خواتین کی حکومت مدد کرنا چاہتی ہے، اس لیے یہ بل لا رہی ہے۔

ان خیالات کا اظہار حضرت مولانا محمد ادریس بستوی نائب صدر تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارکپور نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنے بیان میں کہا کہ اگر حکومت کو اپنی خوش فہمی کا ازالہ کرنا ہے تو وہ ملک کے کسی بھی ایک بڑے شہر یا کسی ایک صوبہ یا کسی ایک ضلع کی مسلم خواتین کی رائے شماری کرالیں جس میں یہ پوچھ لیا جائے کہ یہ خواتین قدیم اسلامی قانون جو آج بھی رائج ہے اسے پسند کرتی ہیں یا اس حکومت کے نئے قانون کو چاہتی ہیں؟ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

مقام افسوس یہ ہے کہ حکومت ہند طلاق ثلاثہ کے تعلق سے جس بل کو لانا چاہتی ہے وہ قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ یہ دنیا کا پہلا قانون ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے والے شوہر کے طلاق دینے سے طلاق بھی واقع نہیں ہوگی اور بیچارے شوہر کو اس کے کسی جرم کے بغیر مسلسل تین سال جیل میں بھی رہنا پڑے گا اور مطلقہ بیوی بغیر شوہر کے جس کسمپرسی کی زندگی گزارے گی یہ عورتوں کی جذبات سے واقف حضرات پر مخفی نہیں کہ بیوی شوہر والی ہونے کے باوجودی بغیر شوہر کے زندگی گزارنے پر مجبور ہوگی۔ ہم حکومت ہند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت ہند کو چاہیے کہ دہ سب کے وشواس کو باقی رکھتے ہوئے مسلمانوں کی دل آزاری اور اسلامی مسائل میں مداخلت کا ارادہ ترک کرے اور عدل و انصاف کے ساتھ اپنی حکومت چلائے اسی میں ہمارے ملک کی بھلائی اور اسی میں جمہوریت کی خدمت بھی ہے۔ **از: رحمت اللہ مصباحی**

گورکھ پور میں جامعۃ المدینہ کا افتتاح

عاشقان رسول کی مدنی عالمی تحریک دعوت اسلامی گورکھپور کے زیر اہتمام رسول پور تکیہ کولدہ، سوریہ وہار کالونی، نزد پانی ٹنکی گورکھپور میں منعقدہ سنتوں بھرا اجتماع بموقع افتتاح "جامعۃ المدینہ فیضان صوفی نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" کا انعقاد ہوا، جلسہ کا آغاز مولانا نعمان مدنی ناظم جامعۃ المدینہ گورکھپور کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا بعدہ محمد عادل عطاری مبلغ دعوت اسلامی نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا، حضرت مولانا صدام حسین عمادی ذمہ دار رابطہ بالعلماء والمشائخ نے دعوت اسلامی کی سرگرمیوں کو اجمالا بیان فرمایا، آپ نے فرمایا: آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اطلبوا العلم من المهد إلى اللحد." یعنی ماں کی گود سے قبر میں جانے تک علم حاصل کرو، تاریخ اسلام میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ عہدِ حاضر میں دعوتِ اسلامی کی درس گاہوں میں ستر ستر سال تک کے حضرات علمِ دین حاصل کر رہے ہیں۔

اس موقع پر نازش فکر و فن شہنشاہ دوات و قلم مفکر اسلام حضرت علامہ مفتی مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور نے بحیثیت مہمان خصوصی تعلیم اور قیام جامعۃ المدینہ کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی، مبلغین دعوت اسلامی گورکھپور کی محنتوں اور بے لوث کاوشوں کو سراہتے ہوئے اپنے مدلل خطاب میں فرمایا کہ دنیا کی تمام ثروتوں میں علم کی دولت لازوال ہے قسمت کے سکندر ہیں وہ لوگ جو زیور علم و عمل سے مزین و مرصع ہیں انھوں نے مزید فرمایا کہ:

اس وقت عالمی غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی دنیا کے قریب ۲۰۰ر ملکوں میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ دعوت اسلامی کے تعلیم و تربیت کے میدانوں میں تین قسم کے ادارے کام کر رہے ہیں (۱) مدرسۃ المدینہ [حفظ و قراءت کی درس گاہ] (۲) دار المدینہ [دینی اور عصری درس گاہ] (۳) جامعۃ المدینہ [درس نظامی کی درس گاہ]

ہندوستان میں شعبان المعظم تک ۳۴/ جامعۃ المدینہ تھے مگر اس وقت ان کی تعداد ۶۵/ ہو چکی ہے، جب کہ مزید جامعات کے افتتاح کا سلسلہ جاری ہے، گورکھ پور کا جامعۃ المدینہ حضرت خطیب البراہین صوفی محمد نظام الدین قادری علیہ الرحمۃ کی جانب منسوب ہے۔

اس موقع پر دعوت اسلامی کے زونل نگران ابوطلحہ عطاری، شاہد رضا استاذ جامعہ ہذا مولانا ذیشان احمد نائب پرنسپل جامعۃ المدینہ، نگران کابینہ فرحان عطاری، محمد غفران، محمد عادل، احمد رضا، سہیل احمد، مولانا عبد الخالق، محمد معظم اور سرور احمد انصاری سمیت دیگر علمائے باوقار اور معزز مبلغین اہل سنت نیز حاضرین کثیر تعداد میں موجود تھے۔

صلاۃ و سلام ہوا، عشق و محبت کے ماحول میں پورا مجمع شرابور تھا، حضرت مفتی مبارک حسین مصباحی خلیفۂ حضور تاج الشریعہ نے رقت انگیز دعا مانگی۔

از: رحمت اللہ مصباحی

پونہ میں امام احمد رضا کانفرنس

مسلم امہ کی تعلیمی و اقتصادی ترقی کیلئے تجاویز

پونہ: تحقیق کے مراحل سے فکر و خدمات رضا کا ہر روز نیا آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی تمام تصانیف اگر دستیاب ہو جاتیں تو علم و فضل کے نئے جلووں سے دُنیا آشنا ہوتی۔ پروفیسر ڈاکٹر سعید احسن قادری (زیڈوی ایم یونانی میڈیکل کالج پونہ) کی یہ دیرینہ تمنا تھی کہ اعلیٰ حضرت پر پونے کی سرزمین پر سیمینار ہو؛ اس سیمینار کی کامیابی پر میں انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کی تین سو کتابیں اور ان پہ لکھے گئے مواد کو ۱۶۰/ جلدوں میں ہم نے شائع کیا۔ اِس طرح کا اظہارِ خیال نیشنل سیمینار آن امام احمد رضا منعقدہ ۱۶/ جون اتوار کے آخری سیشن کے خطبۂ صدارت میں مفتی محمد حنیف خان رضوی (بانی امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف) نے کیا۔ بینا انگلش اسکول کے ہال میں منعقدہ سیمینار کے پہلے سیشن کی صدارت ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے فرمائی۔ آپ نے "چند علمی و فکری عناوین و تجاویز" کے تحت فرمایا کہ علم و فضل کی بنیاد پر اعلیٰ حضرت کی ذات محور تحقیق بن چکی ہے۔ سیمینار کے مقالات کا مجموعہ "فکر رضا کے علمی گوشے" (صفحات:۳۰۶) کا اجرا مفتی محمد حنیف خان رضوی، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی، الحاج محمد سعید نوری (سربراہ رضا اکیڈمی، ممبئی)، مولانا معین الحق علیمی کے بدست ہوا۔

مولانا محمد حنیف خان رضوی نے "امام احمد رضا اور علم تفسیر" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ مولانا ازہار احمد امجدی ازہری (بستی) نے "محدث بریلوی اور علم حدیث" کے عنوان سے مقالہ خوانی کی اور کہا کہ: اُصولِ حدیث میں امام احمد رضا ایسے ہی ماہر تھے جیسے فقہ میں وہ عدیم النظیر تھے۔ آپ کی محدثانہ مہارت پر مشتمل کتابوں کی اشاعت کر کے اسے طبقۂ علما و اسکالرز میں عام کیا جانا وقت کا تقاضا ہے۔

ڈاکٹر ریحان اختر (شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے "اعلیٰ حضرت کی فقہی خدمات" پر مقالہ پیش کیا اور کہا کہ: امام نے ۵۰ سے زیادہ علوم و فنون پر کتابیں لکھیں۔ جس عنوان پر قلم اُٹھایا اُس کا حق ادا کر دیا۔

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا مقالہ "امام احمد رضا اور سیاست عصر" کے عنوان پر تھا، موصوف نے فرمایا: ہزارہا صفحات پر مشتمل امام اہلِ سُنّت کا علمی و فکری اثاثہ ملت کی زبردست رہنمائی کرتا ہے۔ آپ نے ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا۔ سیاست پر ان کی گہری نگاہ رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے تدبر سے معاصر فتنوں کی بیخ کنی ہوئی۔ اعلیٰ حضرت مذہبی رہنما و مجدد تھے، ان کی رہبری سیاسی مدبر کے بطور بھی مسلّم ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی (صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی دہلی) نے بعنوان "امام احمد رضا کی عربی نعتیہ شاعری" مقالہ خوانی کی۔ فرمایا: عربی مدحیہ قصائد کی تاریخ قدیم ہے۔ جن میں اعلیٰ حضرت کا مقام بلند ہیں۔ ان کا یہ مصرع کہ "قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی" ان کی محتاط نعت گوئی کا اظہار یہ ہے۔ ان کے حزم و احتیاط کی آئینہ دار ان کی عربی، اردو و فارسی شاعری اور عربی قصائد ہیں۔ جن میں فنی موشگافی کے ساتھ عقیدہ و عقیدت کی جلوہ گری ہے۔

مولانا محمد احمد نعیمی (استاذ تقابل ادیان، ہمدرد یونیورسٹی دہلی) نے "کلام رضا میں ہندی و سنسکرت الفاظ کا استعمال و اس کی معنویت" پر مقالہ میں کہا کہ: اعلیٰ حضرت کا رسالہ انفس الفکر ہندوستانی مذاہب کے مطالعہ میں اعلیٰ حضرت کی مہارت کا آئینہ دار ہے۔ اعلیٰ حضرت کے کلام میں علاقائی زبانوں بالخصوص ہندی و سنسکرت کے الفاظ معنویت سے بھرپور ہیں، اعلیٰ حضرت کے کثیر اشعار ہندی و سنسکرت میں موجود ہیں۔

غلام مصطفیٰ رضوی (نوری مشن مالیگاؤں) نے "برصغیر میں اسلامی علوم کی اشاعت اور امام احمد رضا" کے عنوان سے مقالہ خوانی کی۔ نصاب تعلیم کے ضمن میں کہا کہ: اعلیٰ حضرت نے وقت کی قدر سکھائی۔ غیر ضروری مواد کی نصاب میں شمولیت سے گریز کی تعلیم دی۔ آپ کا یہ مطمح نظر تھا کہ انھیں علوم کی تعلیم دی جائے جو دین و دُنیا میں کام آئیں، غیر مفید اور غیر ضروری علوم کو نصاب سے خارج کر دیا جائے۔

ڈاکٹر محمد عباس (شعبۂ سنی دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے "امام احمد رضا اور ان کی اسلامی شاعری" کے ضمن میں کہا کہ: آپ نے نعتیہ شاعری کو اسلامی اساس سے جوڑا، عقائد اسلام کی مضبوط بنیادوں پر شعر کہے۔ حدائق بخشش کی نعتوں میں ۵۰/ علوم کی اصطلاحات شامل ہیں۔

ڈاکٹر محب الحق ابن شارح بخاری (گھوسی) نے "امام احمد رضا اور ان کے تلامذہ" پر مقالہ خوانی کی۔ کہا کہ آپ کے تلامذہ بھی علم وفضل کے مختلف جہات پر حاوی ہیں۔ ہر علم وفن میں ان کی خدمات کے نقوش پھیلے ہوئے ہیں۔

پروفیسر عبدالمجید صدیقی (مالیگاؤں) نے "امام احمد رضا اور معاش کے احکام" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ کہا کہ: اعلیٰ حضرت ماہر علم معاشیات تھے، اپنی کتاب "خیر الآمال" میں کمانے کے شرعی اُصولوں کو بیان کیا ہے۔ جن پر عمل کر کے ہم رزق حلال کے راستے ترقی کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد افضل (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے "امام احمد رضا اور رد قادیانیت" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا، فرمایا کہ: امام احمد رضا نے مرزا قادیانی کے باطل عقائد کی مخالفت میں کئی کتابیں تحریر کیں۔ قادیانی تعبیرات کی استدلال سے دھجیاں بکھیر دیں اور اس فتنے کو عالمی سطح پر بے نقاب فرمایا۔

بعض مقالہ نگار شریک نہ ہو سکے لیکن اپنے مقالے بھیج کر سیمینار کو وقار بخشا، ان کے نام اس طرح ہیں:

(۱)۔ صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری، کراچی (امام احمد رضا اور عقیدۂ ختم نبوت) (۲)۔ علامہ قمرالزماں اعظمی، مانچسٹر (امام احمد رضا کے تجدیدی کارناموں پر ایک طائرانہ نظر) (۳)۔ پروفیسر دلاور خان، کراچی (کنزالایمان کا مطالعہ بدائع معنوی کے تناظر میں) (۴)۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی، دہلی (عرفان امام احمد رضا) (۵)۔ مولانا محمد عبدالمبین نعمانی، چریا کوٹ (ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ فکر رضا کی روشنی میں) (۶)۔ ڈاکٹر عبیداللہ فہد، علی گڑھ (کنزالایمان کی علمی و ادبی اہمیت) (۷)۔ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، گھوسی (امام احمد رضا کی فارسی شاعری) (۸)۔ علامہ رضوان احمد شریفی، گھوسی (حسام الحرمین کا جائزہ) (۹)۔ علامہ محمد آصف علوی، براؤں شریف (مکاتیب امام احمد رضا کی عصری معنویت) (۱۰)۔ ڈاکٹر جاوید احمد خان، مالیگاؤں (امام احمد رضا اور علم طبقات الارض) (۱۱)۔ مولانا نفیس احمد مصباحی، مبارک پور (امام احمد رضا اور عربی زبان وادب) (۱۲)۔ مولانا ممتاز عالم مصباحی، کانپور (اعلیٰ حضرت اور علوم جدیدہ)

سربراہ رضا اکیڈمی الحاج محمد سعید نوری (ممبئی) نے اپنے بیان میں کہا کہ تحفظ شریعت کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمات مثالی ہیں، تحفظ شریعت کے ضمن میں ہم حکومت ہند کی طلاق ثلاثہ سے متعلق منفی سرگرمیوں کی مذمت کرتے ہوئے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمان اسلامی احکام کے مطابق ہی ہمیشہ عمل کرے گا۔ شرعی قوانین میں کسی بھی طرح کی مداخلت کو مسترد کرتے ہیں۔

نظامت کے فرائض ڈاکٹر سعید احسن قادری نے انجام دیے۔ جب کہ حافظ محمد طارق کاملی کی قراءت ونعت خوانی سے نشست کا آغاز ہوا۔ اخیر میں ڈاکٹر سعید احسن نے اظہار تشکر کیا جب کہ تمہیدی خطبہ بھی موصوف نے ہی ارشاد فرمایا۔ اس باوقار پروگرام کے اہتمام میں مولانا محسن رضا ضیائی، قاری تنویر احمد، مولانا منصور، مولانا فیض، مولانا عبدالمجید، مولانا جمال، سید غلام رسول، محمد مستقیم، آصف سید، ڈاکٹر ذیشان (پونہ)، محمد طارق، معین پٹھان رضوی (نوری مشن مالیگاؤں) نے مخلصانہ حصہ لیا۔ جب کہ جناب اقبال خان نے اپنے اسکول کا کیمپس عنایت کیا۔ سلام ودعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔ رپورٹ غلامان رضا کے توسط سے موصول ہوئی۔

از: غلام مصطفیٰ رضوی
gmrazvi92@gmail.com

اردو زندہ رہے گی

حضرت امیر خسرو کے سالانہ عرس کی آخری تقریب کل ہند روحانی تبلیغی اجتماع میں "اصحاب صفہ اور تاریخ تصوف" پر خطابات

۱۹ شوال ۱۴۴۰ھ ۲۳ جون ۲۰۱۹ء بروز اتوار بعد نماز عشا۔ اسلامی تاریخ میں تصوف کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ جس دن مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی، اسی دن صفہ چبوترہ پر خانقاہ قائم ہوئی اور صوفیہ کی روحانی تاریخ میں اولین شیخ جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں تو سب سے پہلے مرید حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول ہیں جنہوں نے صدیقیت، صحابیت اور اسلامی خلافت کی نبوی روشنی میں علم، عشق اور عقل کا چراغ پوری دنیا میں روشن کر دیا، پھر علم، اخلاق اور قلب مومن کا تزکیہ کے فرائض انجام دے کر نبی آخر الزماں ﷺ کے جانشین وخلیفہ اور مرید صادق ہونے کا عبرت انگیز حق ادا کر دیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انانیت، دنیا پروری، علاقائی عصبیت، مشربی چشمک، خاندانی چپقلش اور نفسانیت کے علم بردار پیروں اور فقیروں کا روحانیت اور خلافت و صوفیت سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ جو عالم دین اور خلیق نہیں، اسے صوفی کہنا صوفیہ کے مشرب کی توہین ہے اور جو نمازی نہیں، اسے بھی تعویذ گنڈا کرنے کی وجہ سے صوفی کہنا روحانی روایات اور صوفیانہ تقاضوں کی توہین ہے۔ عرس محل درگاہ حضرت نظام الدین دہلی میں منعقد حضرت امیر خسرو کے عرس کی آخری تقریب "کل ہند روحانی تبلیغی اجتماع" سے "اصحاب صفہ اور تاریخ تصوف" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے مالیگاؤں مہاراشٹر میں سنی دعوت اسلامی کے نگراں مبلغ عالم دین مولانا محمد امین القادری نے یہ ایمان افروز باتیں کہیں۔

حضرت پیر سید ضامن نظامی دہلوی کے جانشین پیر خواجہ احمد نظامی سید بخاری سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی سرپرستی اور پیر زادہ سید فرید احمد نظامی (ایڈوکیٹ) نائب سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی صدارت میں یہ کل ہند روحانی تبلیغی اجتماع، ضامن ملت کے تعمیر کردہ عرس محل میں منعقد ہوتا ہے جس کی نظامت کے فرائض پیر زادہ سید سراج مدنی نظامی انجام دیتے ہیں۔ درگاہ حضرت مولانا

صاحب جے پور کے نائب سجادہ نشین ضیاء الدین ضیائی کی مسلسل حمایت ہوتی ہے اور خسرو نظامی نسبت کے عقیدت مندوں کا ہجوم ہوتا ہے۔

مدرسہ محبوب الٰہی کے طالب علم حافظ اویس رضا کی تلاوت قرآن پاک سے اجتماع شروع ہوا، دوسرے خطیب مولانا محمد ظہیر الحسن قادری نے کہا کہ خدا کے نیک بندوں کے قریب رہنے اور خانقاہوں میں ان کی تعلیمات پر چلنے کی تعلیم و تلقین حاصل کرنے کی کوشش کریں، یہ نسبت بہت کام کی ہے۔ ماہ نامہ کنزالایمان دہلی کے مدیر اعلیٰ مولانا محمد ظفر الدین برکاتی نے افتتاحی خطاب میں یمین الدولہ ابوالحسن حضرت امیر خسرو طوطی ہند کی لسانی اور تاریخی خدمات اور آپ کی دو کتابوں اعجازِ خسروی اور خزائن الفتوح کا تعارف کرایا جب کہ مدرسہ محبوب الٰہی کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد جنید عالم قادری نے خطبہ استقبالیہ اور سالانہ اجتماع کے کنوینر صوفی علی شیر نظامی نے ہدیہ تشکر پیش کیا، معروف دہلوی غیر مسلم شاعر پنڈت گلزار تشتی دہلوی کے بعد مولانا عبدالمتین ثمری اور قاری عمران رضا برکاتی نے نعت و مناقب پیش کیے، مدرسہ محبوب الٰہی درگاہ حضرت نظام الدین اولیا کے دیگر طلبہ نے بھی نعت و مناقب پیش کیے اور قرآن کریم کی قرآت کا مظاہرہ کیا۔ اجلاس میں خصوصی طور پر درگاہ حضرت مولانا صاحب جے پور کے نائب سجادہ نشین ضیاء الدین ضیائی، عالی جناب مسعود اظہر صاحب، صوفی عبدالرشید نظامی و صوفی مستان میاں اور کثیر تعداد میں علمائے کرام، مساجد کے امام صاحبان اور عوام و خواص نے شرکت فرمائی۔ از: حافظ محمد انس رضا برکاتی

استاد مدرسہ محبوب الٰہی درگاہ حضرت نظام الدین اولیا، دہلی

جامعہ انوار القرآن بلرام پور میں عرس عزیزی و جلسۂ دستار بندی

۱۸/ اپریل ۲۰۱۹ء بروز جمعرات جامعہ انوار القرآن بلرام پور کا ترپنواں جشن دستار بندی و عرسِ حافظ ملت علیہ الرحمہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ جامعہ کے سرپرست گلِ گلزارِ عزیزیت، پیرِ طریقت عزیزِ ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے جلسہ کی سرپرستی فرمائی اور شہر بلرام پور کے قاضی جامعہ کے شیخ الحدیث و پرنسپل حضرت علامہ مفتی محمد مسیح احمد قادری مصباحی خلیفۂ حضور عزیزِ ملت مدظلہ العالی کی صدارت میں جلسہ کا آغاز ہوا۔ حضرت قاری اقرار احمد برکاتی شیخ الترتیل جامعہ ہذا نے اپنی مخصوص آواز اور انداز میں کلامِ ربانی کی تلاوت فرمائی، چند طلبہ مدحت سرائے محبوب پروردگار ہوئے، مولوی محمد نفیس بلرام پوری کی تقریر "امام احمد رضا حدائقِ بخشش کی روشنی میں" کے عنوان سے ہوئی۔ دلوں کی دنیا میں عشقِ رسالت مآب ﷺ کے آفتاب و ماہتاب جگمگائے اور امام احمد رضا قدس سرہ کی محبت سے آنکھوں میں نور پھرا دل میں سرور بھرا اور رگ و پے سے خوشیوں کے آبشار پھوٹے۔

قسمت تلسی پوری نے نعت و منقبت کے اشعار گنگنائے، نعیمِ ملت، خلیفۂ حضور امینِ ملت حضرت علامہ نعیم الدین عزیزی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور زینتِ منبر نور ہوئے، علامہ موصوف نے فکر انگیز، بصیرت افروز اور معلومات افزا خطاب فرمایا۔ دورانِ خطاب آپ نے قوم کے نوجوانوں کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ نوجوانو! خوابِ غفلت سے آنکھیں کھولو! دیکھو! ہوش کے ناخن لو! تم کہاں جا رہے ہو؟ مقصدِ حیات پر غور کرو! تمھاری تخلیق کا مقصد کھیل کود اور تفریح و مزاح نہیں ہے، بلکہ تم بڑے عظیم مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہو، جاگو! میرے بھائیو جاگو! مغربی افکار و یورپی طرزِ عمل کی دلدل سے نکلنے کی کوشش کرو، کیوں کہ اصل عزت و کامیابی مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی غلامی میں ہے، جو ان سے دور ہوا ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہوئی۔

۱۱/ بج کر ۵۵/ منٹ پر معمارِ قوم و ملت، وقارِ قوم، پیکرِ اخلاق و مروت، حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا قل شریف ہوا، جامعہ اور قرب و جوار کے مہمان قرا نے اپنے حسنِ قراءت کا مظاہرہ کیا۔

قل کے بعد مہمان علما کی گل پوشی عمل میں آئی، پھر جلسہ کے خصوصی خطیب حضرت علامہ سراج احمد چشتی ممبئی رونقِ اسٹیج ہوئے، دو گھنٹے پر مشتمل ان کا خطاب بڑا لاجواب تھا، تقریر کیا تھی گویا اسلاف و اکابر کے کردار و عمل کی روشنی میں قوم و ملت کے جیالوں کے لیے صورِ انقلاب تھی۔

حضرت شیخ الحدیث و پرنسپل کی قیادت میں جامعہ کے ذی استعداد اساتذہ کی جاں فشانیوں کے نتیجے میں ۸۳/ طلبہ کے سروں پر دستار سجانے کا روح پرور منظر ملاحظہ کرنے کا وقت آ پہنچا، جس کے لیے ہزاروں آنکھیں بے تاب اور سیکڑوں دل مضطرب تھے۔ ہم سب کی مشترکہ خوش نصیبی تھی کہ امسال حضرت عزیزِ ملت دام ظلہ العالی کی مخلصانہ سرپرستی کے ساتھ ہمارے سروں پر دو بابرکت، فیض بخش آلِ رسول بزرگ سایہ فگن تھے، ایک پیرِ طریقت حضرت طاہر میاں سجادہ نشیں خانقاہ واحدیہ بلگرام شریف، دوسرے ان کے صاحب زادے حضرت سہیل میاں زید مجدہ۔

مذکورہ تینوں بزرگوں اور دیگر مقتدر علما کے ہاتھوں درجۂ فضیلت کے ۱۳/ عالمیت کے ۱۹/ حفظ کے ۲۶/ اور قراءت کے ۲۵/ طلبہ کے سروں پر دستار سجا کر سندِ فراغت سے نوازا گیا۔ ان میں وہ گیارہ طلبہ بھی شامل ہیں جنھوں نے ایک نشست میں مکمل قرآن سنایا۔

آخر میں صلاۃ و سلام کے بعد افتخارِ قوم و ملت آبروئے باغِ فردوس جامعہ اشرفیہ حضور عزیزِ ملت دام ظلہ نے فارغین طلبہ کو خصوصًا ان کی مساعیِ جمیلہ پر سراہا اور خدماتِ دین و علم کے سلسلے میں مزید خلوص کی تلقین فرمائی اور اپنی مقبول و مستجاب دعاؤں پر کانفرنس کو اختتام بخشا۔

از: نور احمد قادری، جامعہ انوار القرآن بلرام پور